وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

وفاق المدارس

ملتان

شمارہ نمبر ۸ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ جولائی 2013ء

Regd. M # 182

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر- سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر- ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر-

اندرون ملک قیمت: فی شمارہ: 25 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 300 روپے

monthlywifaq@gmail.com

چند قیمتی نصائح

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ
صدر: وفاق المدارس العربیہ، پاکستان

جامعہ فاروقیہ کراچی کی شاخ جامع مسجد محمد بن قاسم سندھی مسلم سوسائٹی کے زیر اہتمام تکمیلِ حفظ قرآن کی سالانہ تقریب کے موقع پر حضرت صدر وفاق نے حاضرین سے خطاب فرمایا، حضرت صدر وفاق کا نصیحت آموز خطاب نذر قارئین ہے..............................(ادارہ)

سب سے پہلے ہم ان بچوں کو جنہوں نے حفظِ قرآن مکمل کیا مبارک باد دیتے ہیں اور ان بچوں کے والدین اور اساتذہ بھی قابلِ مبارک باد ہیں (پھر حضرت نے سامنے بیٹھے 30 حافظ بچوں میں سے 3 کو اشارہ کر کے فرمایا: آپ کھڑے ہو جاؤ...... آپ کھڑے ہو جاؤ......اور آپ...... جن کی عمریں 8 سے 10 سال کے درمیان معلوم ہوتی تھیں، پھر سامعین سے مخاطب ہو کر فرمایا:) ان ننھے منّے بچوں کو پورا قرآن زبانی یاد کروا دینا کوئی ہنسی کھیل ہے؟ ان پر انتھک محنت ہوتی ہے، کتنے نوجوان آج ایسے ہیں جو قرآن مجید کے الفاظ کی صحیح ادائیگی بھی نہیں کر سکتے، کتنے بوڑھے لوگ آپ کو ملیں گے جن کی پچاس پچاس سال ستر ستر سال عمر ہو گئی ہے ابھی تک قرآن مجید کی کوئی سورت الفاظ کی صحیح ادائیگی سے وہ آپ کو نہیں سنا سکتے دعاء قنوت تک نہیں آتی۔ نماز میں پڑھی جانے والی دعائیں بھی صحیح سے ادا نہیں کر پاتے، دوسری طرف ان معصوم بچوں کو آپ دیکھیں اور سنیں کیسی خوش الحانی سے الحمد سے والناس تک سارا قرآن زبانی پڑھ سکتے ہیں، بے شک یہ کلام اللہ کا معجزہ ہے اور ان کے اساتذہ کی محنت اور کوشش کا بہر حال انکار نہیں کیا جا سکتا۔

دوسری بات جسے ہم یہاں ذکر کرنا بہت ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان بچوں نے قرآن مجید حفظ کر لیا اب انہیں اسکولوں میں بھیج کر ان کی اور ان کے اساتذہ کی رات دن کی محنتوں پر پانی مت پھیریں، خدارا انہیں دین دار رہنے دیں، اب تک جو دیکھنے میں آیا ہے وہ یہی ہے کہ ان اسکولوں کالجوں میں دینی تعلیمات کے برعکس تعلیم دی جاتی ہے۔ آپ کے ملک کے حکمرانوں اور ان جیسے عہدیداروں کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں، ان سب نے انہیں اسکولوں کالجوں میں پڑھا ہے اور یہ سب دین کے دشمن ہیں، اپنی آخرت کی انہیں کوئی فکر و احساس نہیں، مرنے کے بعد کی زندگی اور قبر حشر

سکتا ہے، جب گناہ گار کے سوال وجواب کا ڈر گویا ختم ہو جاتا ہے۔ سب نے مرنا ہے، اس حقیقت سے تو کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ جب گناہ گار آدمی کی میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو منکر نکیر آتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں "من ربک "؟ تو یہ بتا نہیں سکتا بلکہ ہاہا کرتا ہے، پھر وہ سوال کریں گے "مادینک ؟" تو یہ ہاہا کرتا ہے اور بغلیں جھانکتا ہے۔ جواب نہیں دے سکتا، پھر جانتے ہو کیا ہوتا ہے؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس میت کے درمیان تمام حجاب ہٹا دیے جاتے ہیں اور سوال ہوتا ہے "من ھذا الرجل "؟ تو ذرا تصور تو کریں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی طرف گویا کس طرح دیکھیں گے کہ "ارے یہ......؟ یہ میرا امتی ہے......؟ اس نے تو داڑھی منڈا رکھی ہے...... اس نے میرے طریقہ کو قابلِ اتباع نہیں سمجھا......؟ اوروں کے طریقہ کو ترجیح دے دی۔

اور یہ ظاہر بات ہے کہ جب یہ بچے اسکولوں میں جائیں گے تو داڑھیاں منڈوائیں گے، قرآن مجید بھلائیں گے، کیوں کہ ان اسکولوں کالجوں میں تو بچوں کے دل و دماغ سے شعائر دین کی وقعت اور علومِ نبوی کی قدر و عظمت کو کھرچ کھرچ کر نکال دیا جاتا ہے۔

یاد رکھو! داڑھی اتنی اتنی (ایک انچ کا اشارہ فرمایا) رکھنا یا اتنی اتنی (پہلے سے کچھ زیادہ یعنی ایک انچ سے کچھ زیادہ) رکھنا یا بالکل صاف کروانا تینوں کا حکم ایک ہی ہے۔

ان بچوں کے والدین سے ہم دوبارہ درخواست کرتے ہیں کہ انہیں اسکولوں کالجوں میں بھیج کر ضائع نہ کریں، ان میں سے ہر بچہ عالم بنے، سیدھے راستے پر چلے۔ حق بالکل واضح ہے، یہ باہر جو روشنی آپ کو دکھائی دے رہی ہے، حق کی روشنی اس سے زیادہ تیز ہے، پھر بھی اگر کوئی نہ سمجھے تو اس کی مرضی ہے۔ یاد رکھو، ہمارا کام ہے بتا دینا...... آپ کے ماننے یا نہ ماننے سے ہمارے کام میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

تیسری بات یہ ہے کہ آپ کے شہر میں جس قدر قتل و غارت، فحاشی، چوریاں، ڈکیتیاں ہیں اسی طرح الحمد للہ، اللہ والوں کی مجالس، تربیتی مراکز اور اصلاحی مجالس بھی کوئی کم نہیں، ایک جگہ ایک اللہ والا ہے، لوگ اس کی مجلس میں آکر اُخروی فائدوں سے مالا مال ہو رہے ہیں، تو دوسری جگہ دوسرا اللہ والا لوگوں کی اصلاح و فلاح اور تربیت میں مصروف ہے۔ آپ جہاں بیٹھے ہیں یہ تو ایک مدرسہ ہے جس میں بچے صبح آتے ہیں، شام کو واپس چلے جاتے ہیں، اسی شہر میں ایسے ایسے ادارے بھی ہیں جہاں رات دن طلبہ رہتے ہیں، دینی ماحول فراہم کیا جاتا ہے اور ایک سال نہیں، دو تین سال نہیں بارہ سال اس پاکیزہ ماحول میں رہ کر دینی و اخلاقی تربیت پاتے ہیں۔ تو یہ اللہ والے ہر جگہ موجود ہیں، ان کی مجلس میں جائیں بات اچھی لگے، سمجھ میں آئے تو مان لیں۔ اللہ ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد واله وصحبه اجمعین

اسلامی حکومت اور اس کے اساسی قوانین

محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ
بانی: جامعہ بنوری ٹاؤن، کراچی

کون نہیں جانتا کہ اسلامی حکومت کے اساسی قوانین کیا ہیں؟ اور اس کے خدوخال کیسے ہوتے ہیں؟ کون سا ایسا مسلمان ہے جو اسلام کے بنیادی عقیدوں کو نہ جانتا ہو؟ مگر مسلمان کے لئے جہاں جاننا ضروری ہے، وہاں ماننا بھی ضروری ہے، صرف جان لینے سے اسلام کی شہادت وسند نہیں مل سکتی، ابو طالب بھی اسلام کی حقانیت کا اقرار کر چکے تھے، عہد نبوت کے یہودی بھی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بلکہ خاتم النبیین ہونے کو دل سے جانتے تھے، جس پر وحی آسمانی و تعلیمات قرآنی کی تصریحات موجود ہیں، لیکن باوجود جاننے کے مانتے نہیں تھے، اس لئے ''مغضوب علیہم'' کفار کی صف اول میں شمار ہوتے ہیں، الغرض جاننا اور پھر ماننا اسلام کی اولین شرط ہے، ماننے کے بعد عمل کرنا، یہ اعلیٰ درجہ ہے۔

اسلام کیا ہے:...... ''اسلام'' کیا چیز ہے؟ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر (ذات میں ہو یا صفات میں یا افعال میں) ایمان لانا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان لانا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا اور اللہ تعالیٰ کے فرمانے سے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے جو باتیں امت کو قطعی طور پر پہنچی ہیں، جن کو علمی زبان میں ''ضروریات دین'' کہا جاتا ہے، ان سب کو بہ دل وجان تسلیم کر لینا، یہی خلاصہ ہے کہ کلمہ طیبہ کا، جو اسلام کا پہلا کلمہ ہے۔ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' یا دوسرا کلمہ شہادت ہے، اس کی یہ بھی تعبیر ہو سکتی ہے کہ قرآن کریم پر ایمان لانا اور اس کو حق تعالیٰ کا آخری پیغام تسلیم کرنا اور حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو اس کی عملی تشریح کی ہے، اسی طرز پر اس کو سمجھنا اور مان لینا۔ اسی طرح اس کی اور کئی طرح تعبیریں ہو سکتی ہیں، مثلاً یہ کہا جائے کہ ''مسلمان وہ ہے جو قرآن کریم اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔'' یا یہ کہا جائے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین کی باتیں بتلائی ہیں اور یقینی طور پر امت کو پہنچی ہیں، یا یہ کہ دین اسلام

کی جتنی بنیادی باتیں ہیں، ان پر ایمان لائے۔" یا یہ کہا جائے کہ "حق تعالیٰ کی الوہیت و توحید اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ پر ایمان لائے۔" یا یہ کہا جائے کہ "اللہ و رسول کی تمام ہدایات و تعلیمات پر ایمان لائے۔" یہ سب تعریفیں صحیح اور درست ہیں، صرف الفاظ و تعبیر کا اختلاف ہے۔

"تعبیرات اور الفاظ کے اختلاف سے حقائق کا اختلاف سمجھنا یہ عناد ہے، یا جہل ہے، یا پھر دونوں باتیں ہیں، اب یہ کہنا کہ آج تک اسلام کی اتفاقی تعریف نہیں ہو سکی، جو شخص یہ خیال کرتا ہے، اس کا تو مطلب یہ ہے کہ اس کو اب تک اپنے ایمان و اسلام پر یقین تو کجا، اس کا علم بھی نہیں ہے، پاکستان کے ایک سابق جج کی رسوائے عالم رپورٹ میں، جو کوشش کی گئی تھی، اس کا تو مقصد یہی تھا کہ تعبیر کے اختلاف کا فائدہ اٹھا کر کافروں کو مسلمان ثابت کیا جا سکے۔" انا للہ وانا الیہ راجعون

اسلامی حکومت کسے کہتے ہیں:......اب اسلامی حکومت وہی ہوگی جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے اور بتائے ہوئے احکامات کو نافذ کرے اور حکومت کی طاقت سے جاری کرے اور اس قسم کی کافرانہ رپورٹوں اور فیصلوں کے لئے اس میں کوئی جگہ نہ ہو اور اس میں اسلامی حکومت کا عنوان دستور یہی ہوگا کہ "حکومت کا مذہب دین اسلام ہوگا۔" آج تک جتنی اسلامی حکومتیں ہیں، ان کے دستور کی پہلی دفعہ یہی ہے، نہ ہمارا مزاج سیاسی ہے اور نہ ہمارا موضوع سیاست ہے، بحیثیت ایک مسلمان اور بحیثیت ایک خادم دین، ہم اس بات کے سمجھنے سے قاصر ہیں، کہ ہمارا یہ ملک پاکستان اب تک کیوں اسلامی مملکت نہیں بن سکا، بلکہ فقہی حیثیت سے اس کو "دارالاسلام" کہنا بھی مشکل ہے، اس لئے اگر چہ قدرت قانون اسلام جاری کرنے کی بظاہر موجود ہے (بظاہر اس لئے کہتا ہوں کہ شاید یہ خیال بھی صحیح نہ ہو بلکہ اندر اس جسد عنصر کو حرکت دینے والی کوئی خارجی روح مخفی ہو جو ہمیں نظر نہ آتی ہو، خیر ہم تو ظاہر کو جانتے ہیں باطن اللہ تعالیٰ کے حوالے ہے)۔

بہر حال یہ قدرت اگر چہ ہے لیکن اس قدرت سے نہ صرف یہ کہ احکامات اسلام اور تعلیمات اسلام کو جاری نہیں کیا گیا بلکہ طرح طرح کی مشکلات وعقبات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، متحدہ ہندوستان بلاشبہ علمی و فقہی اصطلاح سے "دارالکفر" تھا، تقسیم ملک کے بعد وہ حصہ بالاتفاق دارالکفر رہا، خصوصاً جب وہاں یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ "سیکولر" (لادینی) حکومت ہوگی، یہاں صرف اعلان تو نہیں کیا گیا، لیکن عملاً کوئی فرق نہیں رہا، بلکہ یہاں کفر و ارتداد کے ساتھ وہاں سے زیادہ رواداری برتی گئی، وہاں عیسائی مشنریوں کو کسی ہندوستان کے باشندے کو مسلمان ہو یا ہندو، عیسائی بنانے کی اجازت نہیں، لیکن ہمارے ملک میں عیسائیوں کو عیسائی بنانے کی کھلی اجازت دی گئی اور سب سے زیادہ کسی مسلمان ملک میں اگر عیسائیت کی حوصلہ افزائی ہوئی تو ہمارا ملک ہے، اگر حکومت کا مذہب اسلام ہوتا تو کسی کو عیسائی بنانے کی کیا مجال تھی، تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، اس ملک میں نہ صرف یہ کہ زنا کرنا جرم نہیں بلکہ اس کے لائسنس دیئے

جاتے ہیں، شراب پینا عام ہے، سودی کاروبار پر تمام زندگی کا ڈھانچہ قائم ہے، چور کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے، کوئی شرعی قانون نافذ نہیں، بلکہ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جانا بھی جرم نہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ سمجھنا بھی جرم نہیں، بلکہ ملک کے اندر اور باہر حکومت کی اعانت وامداد سے قادیانیت کی دعوت وتبلیغ جاری ہے، اس ملک میں قرآن کریم کو برملا محرف کہا جاتا ہے، اکابر صحابہ پر تبرا بھیجا جاتا ہے۔

جس ملک میں زنا، شراب، سود، جوئے اور بیمے کا عام رواج ہو، جس ملک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی و رسول نہ سمجھا جاتا ہو، بلکہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کو ماننے والے بیشتر کلیدی آسامیوں پر فائز ہوں، جس ملک میں ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر معاذ اللہ سب وشتم ہوتا ہو، جہاں علمی ونظریاتی طور پر تمام بنیادی مسائل کو مجروح کیا جاتا ہو، جہاں ہر کفر والحاد کی نہ صرف اجازت ہو، بلکہ اس کی پرورش ہوتی ہے، جس ملک میں ہر بے حیائی کو فروغ دیا جاتا ہو اور جہاں اسلام کے عادلانہ قانون کے مطابق نہ کسی کی جان محفوظ ہو، نہ آبرو محفوظ ہو، نہ مال محفوظ ہو، کیا وہ ''دارالاسلام'' ہے؟ کیا یہی اسلامی مملکت ہے؟ کیا پاکستان میں اس کے سوا اور بھی کچھ ہے؟ کیا انہی چیزوں کی خاطر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرے؟

آج آسمان سر پر اٹھایا جاتا ہے، شادیانے بجتے ہیں اور شور برپا ہے کہ قومی اسمبلی قائم ہوگئی اور عبوری آئین نافذ ہوگیا، عبوری آئین جیسا کچھ ہے، سب کے سامنے آچکا ہے، نہ معلوم مستقل آئین بھی (اگر بنا تو) اسی نوعیت کا ہوگا، یا اس سے کچھ مختلف؟ تاہم عبوری آئین میں مستقل آئین کے خدوخال نظر آرہے ہیں۔

''قیاس کن زگلستان من بہار مرا''

ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ لاکھ جمہوریت بحال کردی جائے مگر جب تک صاف اعلان نہیں کردیا جاتا کہ حکومت کا مذہب اسلام ہوگا، اس ملک میں کسی کو مرتد بننے اور بنانے کی اجازت نہیں ہوگی، صدر مملکت (اور کلیدی اہمیت کے دیگر مناصب) کے لئے مسلمان ہونا لازمی شرط ہوگی، اسلامی احکام کا اجراء ہوگا، تمام شرعی تعزیریں نافذ کی جائیں گی، شراب ممنوع، زنا حرام اور سودی کاروبار بند ہوگا، قمار اور جوئے کی اجازت نہیں ہوگی، شراب نوشی اور عصمت دری پر شرعی سزائیں جاری کی جائیں گی، چور کے ہاتھ کاٹے جائیں گے، سرکاری مدارس میں اسلامی تعلیم لازمی ہوگی، عیسائی اسکولوں میں مسلمانوں کے بچوں کو انجیل کی تعلیم ممنوع ہوگی، جو لوگ حضرت خاتم مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ''ختم نبوت'' کا انکار کرتے یا اس میں تاویل کرتے ہیں، ان کے فرقہ کو مسلمانوں سے الگ ایک غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے گا، وغیرہ وغیرہ……

الغرض اسلامی شعائر کی بہت سی باتیں جن کو ہر مسلمان جانتا ہے اور جن سے کسی اسلامی مملکت کے خدوخال ہر شخص کو نظر آسکتے ہیں، جب تک صاف دل ودماغ سے ان باتوں کو نہیں اپنایا جاتا، اسلامی حکومت نہیں ہوگی، کسی اسلامی حکومت

کی واضح علامت یہ ہے کہ وہ اسلامی شعائر کو بلند کرے اور کفر کے شعائر کو مٹائے، اس کے بغیر چاہے چار دانگ عالم میں اس امر کا اعلان کیا جائے کہ یہ اسلامی مملکت ہے، یہ دعویٰ ان حقائق کی روشنی میں نفاق ہے، دھوکا ہے، آنکھوں میں مٹی ڈالنے کے مترادف ہے اور خدا تعالیٰ اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا ہے، صرف جمعیت علمائے اسلام کے ایک آدھ وزیر ہونے سے یا مفتی محمود اور مولانا غلام غوث ہزاروی جیسے حضرات کے رکن اسمبلی بن جانے سے یہ ملک اسلامی نہیں بن سکتا، جہاں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو جمہوری ووٹنگ سے طے کیا جائے اور جہاں قرآن وسنت کے صریح احکام بھی اکثریت واقلیت کے فیصلے کے رہین منت ہوں، اس نقار خانے میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے؟ جمہوری فیصلوں کا دائرہ صرف انتظامی معاملات تک محدود ہے اور یہیں تک محدود رہنا چاہئے، قرآنی تعلیمات اور اسلامی ہدایات اور قوانین واحکام کے سامنے ان کی کیا وقعت ہے؟

اسلامی مملکت کا دستوری ڈھانچہ:......حکومت وسلطنت اگر مسلمانوں کے زیر اقتدار آئے تو ان کا طرز عمل کیا ہوگا؟ اور وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہوئے کن چیزوں کو بروئے کار لائیں گے؟ اس سلسلے میں قرآن حکیم نے چار باتوں کا ذکر کیا ہے:

(۱)......اقامت الصلوٰۃ (نمازوں کی پابندی) (۲)......ایتاء زکوٰۃ (نظام زکوٰۃ کا قائم کرنا)

(۳)......امر بالمعروف (نیک کاموں کا حکم کرنا) (۴)......نہی عن المنکر (برے کاموں سے منع کرنا)

چنانچہ ارشاد ہے:

﴿الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلاة واتوالزکاة وامروا بالمعروف ونھواعن المنکر ولله عاقبة الامور﴾ (الحج، آیت: ٤١)

''وہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دے دیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کو انجام تو خدا ہی کے اختیار میں ہے''۔ (بیان القرآن)

یہی وہ ''بنیادی نکات'' ہیں، جن پر اسلامی مملکت کا دستوری ڈھانچہ مرتب ہوگا، یہی وہ محور ہے، جس کے گرد مسلمانوں کا نظم مملکت گردش کرے گا، یہی وہ روح ہے، جو اسلامی حکومت کے ایک ایک شعبہ میں جاری وساری ہوگی اور یہی وہ اساسی مقاصد ہیں، جنہیں اسلامی حکومت اپنے لئے نصب العین قرار دے گی، بلاشبہ اسلامی حکومت کو سینکڑوں قسم کے سیاسی مصالح، معاشرتی مسائل اور وقتی تقاضوں کا سامنا کرنا ہوگا لیکن وہ اس امر کی شدت سے پابند رہے گی کہ اس کا کوئی اقدام ان بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔

مسلمان حکمران کے شرائط:......مختصر یہ کہ ایک مسلمان حکمران کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خود صالح، متقی اور خداترس ہو اور کتاب وسنت کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق تمام معاشرے کی اصلاح کر کے انہیں صالح اور خداترس بنائے،

خود صالح ہونا اور دوسروں کو صالح بنانا، یہ ہے اسلامی حکومت کا اساسی اصول، اس کی علمی تفصیلات کتاب وسنت میں محفوظ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اسی نہج پر تربیت فرمائی اور خلافت راشدہ کے بابرکت اور زرین عہد میں اس کا مثالی نمونہ عملی طور پر ظہور پذیر رہا، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت کو بھی لازم قرار دیا گیا:

﴿وأطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم﴾

''(اے ایمان والو) حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں''۔(از شیخ الہند)

لفظ'' منکم ''میں بتلا دیا گیا کہ اسلامی حکومت کے سربراہ کا مسلمان اور مومن ہونا شرط ہے، یعنی اس کی اطاعت اس وقت لازم ہوگی جب وہ حق تعالیٰ کے احکام کا مطیع اور فرمانبردار ہو اور اگر وہ اللہ تعالیٰ سے باغی ہو جائے، اس کے احکام سے سرتابی کرے اور اسلام کا زرین تاج اپنے سر سے اتار پھینکے تو اس کی اطاعت کا سوال باقی نہیں رہتا (لاطاعة لمخلوق في معصية الخالق)

أولي الأمر کا اصل مصداق تو خلفاء راشدین ہیں، جن میں صفات جہانبانی کے ساتھ تفقہ فی الدین کا وصف بھی موجود تھا، وہ خلفاء بھی تھے اور فقہاء بھی، حاکم بھی تھے اور عالم بھی، اس لئے اولی الامر کی تنقیح میں علماء تفسیر کا اختلاف ہوا کہ اس سے مراد امراء وخلفاء ہیں یا علماء وفقہاء؟ ظاہر ہے علمی ودینی اعتبار سے فقہاء وعلماء اس کا مصداق ہیں اور احکام خداوندی کو جاری اور نافذ کرنے کی طاقت وقوت ارباب اقتدار کے پاس ہوتی ہے، اب اگر کسی شخصیت میں تفقہ فی الدین اور اقتدار کی دونوں صفات جمع ہو جائیں جیسا کہ خلفاء راشدین میں جمع تھیں تو اس کا وجود سراپا رحمت ہے، لیکن جب یہ دونوں صفات کسی ایک ہستی میں جمع نہ ہوں تو ضروری ہوگا کہ حکومت دونوں قسم کے رجال کو جمع کرے، جن میں مقتدر حکام بھی ہوں اور دین کی صحیح بصیرت رکھنے والے اصحاب تفقہ بھی۔

خلافت راشدہ کا بابرکت دور علم وعمل، صلاح وتقویٰ، فقر وزہد، ایثار وقربانی اور اخوت ومساوات کے لحاظ سے انسانیت کا تابناک دور تھا، جس کے آثار وبرکات نے عرصہ دراز تک دنیا کو منور رکھا۔

دینی مدارس اور ان کے ثمرات واثرات:...... بعد کے دور میں مسلمان حکمرانوں کی عملی زندگی اگرچہ مجروح ہوتی چلی گئی، تاہم اعتقادی پہلو ہمیشہ محفوظ رہا اور امت کی اصلاح اور دینی تقاضوں کی بجا آوری کے لئے امر المعروف اور نہی عن المنکر کا کام بھی اپنے صحیح طریق کار اور تسلسل کے ساتھ جاری رہا، آج بھی، جبکہ اسلامی حکومت کے دھندلے نقوش بھی تدریجاً مٹتے چلے جا رہے ہیں، ''هيئة الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر'' کے ادارے تھوڑا بہت کام کر رہے ہیں، مسلم حکمرانوں کی عملی زندگی سے قطع نظر یہ بات بالکل صاف ہے کہ اسلامی تاریخ کے سابقہ ادوار میں اسلامی قوانین سے عداوت اور بغض وعناد کا کہیں پتہ نہیں چلتا، البتہ آخری دور میں اس کا ظہور ترکی میں ہوا، خلافت اسلامیہ کے الغاء کے بعد

جو قیادت ابھری، اس نے اسلامی احکام سے علانیہ عداوت کا مظاہرہ کیا، یہاں اس ناخوشگوار بحث کی تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں، اس کے بعد دوسرے اسلامی ممالک میں بھی اس کا اثر پھیلتا گیا، تاہم بہت سے شعائر اسلام کا احترام اب تک بیشتر ممالک میں باقی ہے، ان ممالک کی بنیادی خرابی یہ تھی کہ امر بالمعروف کے اداروں کی سرپرستی مدارس ومعاہد کی تاسیس اور مساجد کی تعمیر حکمرانوں کے فرائض میں شامل سمجھی جاتی تھی اور عامۃ المسلمین اس فریضہ سے سبکدوش ہو چکے تھے، جب ان حکمرانوں نے دین اور دینی مسائل سے غفلت یا عداوت کا رویہ اختیار کیا تو ان ممالک میں دین بے سہارا ہو کر رہ گیا، اس کی بنیادیں گرنے لگیں اور کوئی موثر قوت ایسی نہ رہی جو آگے بڑھ کر اسے سنبھالا دیتی۔

البتہ متحدہ ہندوستان اس خصوصیت میں نامزد ہے جو محض حق تعالیٰ کی عنایت کا ثمرہ ہے کہ یہاں جب مسلمان حکمران ختم ہوئے اور نظام اقتدار کفر کے ہاتھ آیا تو اس موقعہ پر اکابر امت کی فراست نے محسوس کیا کہ شعائر دین کی بقاء، دینی اداروں کی تاسیس، مساجد ومدارس کی تعمیر کے لئے اگر عام مسلمانوں کو تربیت نہ دی گئی اور تعلیم وتربیت، فتویٰ وقضاء اور امامت وخطابت کے مناصب کا بطور خاص انتظام نہ کیا گیا تو اس خطہ میں اسلام باقی نہیں رہے گا، حق تعالیٰ نے ان کی مبارک توجہات کو بار آور فرمایا، عام مسلمانوں میں حفاظت دین کا جذبہ بیدار رہا اور اعداء دین کی دسیسہ کاریوں کے علی الرغم دین جوں کا توں محفوظ رہا۔

ارباب اقتدار کے غلط رخ اختیار کرنے کی ایک مثال:...... تقسیم ہند کے بعد بھی یہ سلسلہ رکا نہیں بلکہ آگے بڑھا، ہندو پاک کے دین پسند عوام کی توجہ سے دینی فضا قائم رہی، قیام پاکستان کے بعد اگر یہاں کے حکمران اخلاص سے دینی نظام کو نافذ کرنے کا تجربہ کرنا چاہتے تو اس کے لئے ماحول کافی حد تک سازگار تھا اور یہ تجربہ پورے عالم میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا ذریعہ ثابت ہوتا اور آج کی دکھی انسانیت کے لئے رحمت کا پیغام بنتا، لیکن بدقسمتی سے یہاں کے حکمرانوں کو صحیح رخ اختیار کرنے کی توفیق نہ ہوئی، ان کا طرز عمل بتدریج بگڑتا چلا گیا، دین سے انحراف کا راستہ اختیار کرلیا، موجودہ حکومت کی ناکامی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ اس نے لادینی نظام کو جہل یا عناد کی بناء پر تمام قوم پر مسلط کردینے کی کوشش کی۔

''ملا'' لوگ تو خیر ان حقائق کو واشگاف کرنے میں ہمیشہ مصروف رہے، مگر کرشمۂ قدرت دیکھئے کہ اب سرکاری مسلم لیگ کی ہائی کمان نے بھی امت کی ہمنوائی کی ہے، روزنامہ جنگ ۷ فروری کی اطلاع کے مطابق مسلم لیگ ہائی کمان کی پارلیمانی پارٹی کی مقرر کردہ ۲۵ رکنی جائزہ کمیٹی نے اعتراف کیا ہے کہ عائلی قوانین مجریہ ۱۹۶۱ء کے ایکٹ نے عوام کے مختلف طبقات میں حکومت سے منافرت پیدا کی، عوام حکومت سے دور ہو گئے اور علماء کے احساسات وجذبات ان قوانین سے مجروح ہوئے، علمائے امت پہلے دن سے یہ واضح کرتے رہے کہ یہ قوانین کتاب وسنت کے منافی ہیں، ان سے معاشرتی الجھنیں ختم نہیں ہوں گی، بلکہ ان میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا، لیکن ارباب اقتدار اسے ''چند ملاؤں کا شور وغوغا''

کہہ کرٹالتے رہے، مقام شکر ہے کہ اب پاکستان مسلم لیگ نے بھی بزعم خود پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی جماعت تسلیم کرلیا کہ ملاؤں کا اندیشہ غلط نہیں تھا۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ ہائے اس زود پشیماں ہونا

دینی اعتبار سے ہمارے ارباب اقتدار کے غلط رخ اختیار کرنے کی یہ صرف ایک مثال ہے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا تھا:

يا أ باعبيدة! اذا طلبت العزة با الله أعزك الله، واذا طلبت العزة بغير الله أذلك الله

"ابوعبیدہ! جب تم اللہ تعالیٰ کے ذریعہ عزت چاہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں باعزت کرے گا اور جب تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کے ذریعے عزت طلب کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ذلیل کرے گا"۔

موجودہ حکومت نے اپنے خیال میں عوام کی رضامندی کے لئے اللہ کے قانون سے انحراف کیا تھا، اس کے تکوینی نتائج ظاہر ہو کر رہے۔

﴿قل اللهم مالك الملك تؤتى الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بيدك الخير انك علىٰ كل شى قدير﴾

☆......☆......☆

نظام سرمایہ داری کی لوٹ مار کا ایک اور کرتب

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی
صدر: جامعہ دار العلوم کراچی

راقم کی حالیہ کتاب ''اسلامی معیشت کی خصوصیات اور نظام سرمایہ داری'' جس میں ''تھرڈ پارٹی انشورنس'' کی جو تفصیل پہلی دفعہ سامنے لائی گئی ہے، اس سے نظام سرمایہ داری کی خوبصورت لوٹ مار کا ایک اور کرتب سامنے آتا ہے۔

تھرڈ پارٹی انشورنس، جبری:...... یہ ایک قسم کا جبری انشورنس ہے جو ''تھرڈ پارٹی انشورنس'' کہلاتا ہے، یہ تو ہر اس شخص کو کرانا اور اس کی فیس (پریمیم) ہر سال انشورنس کمپنی کو ادا کرنا قانوناً لازم ہے جو کسی بھی چھوٹی بڑی گاڑی کا مالک ہو، حتیٰ کہ موٹر سائیکل یا موٹر رکشہ بھی، خواہ کتنا ہی بوسیدہ اور پرانا ہو اس سے مستثنیٰ نہیں۔

انشورنس کمپنی جو عموماً سرکاری نہیں ہوتی، بلکہ افراد کی ملکیت ہوتی ہے اور لمیٹڈ ہوتی ہے...... یہ فیس حکومت اور قانون کی طاقت استعمال کرتے ہوئے، اتنی سختی اور پابندی سے وصول کرتی ہے کہ گاڑی کے دیگر کاغذات کی طرح اس انشورنس کا سرٹیفکیٹ بھی گاڑی میں موجود رہنا ضروری ہے، ورنہ پولیس چالان کر دیتی ہے۔

اس انشورنس کا کوئی فائدہ انشورنس کمپنی کے علاوہ کبھی گاڑی کے مالک کو بھی پہنچتا ہے یا نہیں؟ یا اس کی گاڑی سے جس بے چارے ''تھرڈ پارٹی'' کا نقصان ہو جائے، اس کے نقصان کی تلافی کی بھی کوئی صورت بنتی ہے یا نہیں؟ یہ معلوم کرنے کے لئے میں نے بہت سے گاڑی مالکان سے پوچھا (جن میں خود میں بھی داخل ہوں) سب کے جواب کا حاصل یہی تھا کہ حقیقتاً اور عملاً اس کا فائدہ ہمارے سامنے کچھ نہیں آیا، سوائے اس کے کہ ''اس کی بدولت پولیس کے چالان سے بچ جاتے ہیں۔''

اب جبکہ یہ مقالہ لکھ رہا ہوں اور انشورنس کی بات بھی آ ہی گئی تو میں نے اپنے زیر استعمال گاڑی کے کاغذات جو اسی انشورنس سے متعلق ہیں اور تقریباً پانچ صفحات پر مشتمل ہیں، زندگی میں پہلی بار نکال کر ان کا تفصیلی جائزہ لیا، یہ جائزہ جو

اس مقالے کی ضرورت سے لینا پڑا، ایک قسم کی ریاضت سے کم نہ تھا، مگر یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ ان کاغذات میں جو وعدہ درج ہے کہ ایک مقررہ حد تک ''تھرڈ پارٹی'' کے نقصانات کی تلافی کی جائے گی، اس پر عمل کیوں نہیں ہوتا اور اس انشورنس سے گاڑی والے یا ''تھرڈ پارٹی'' کو کوئی فائدہ کیوں نہیں پہنچتا؟ جو صورتحال سامنے آئی قارئین کی دلچسپی کے لئے درج ذیل ہے:

(۱)......اس انشورنس پالیسی سے متعلق ان کاغذات میں ساری تفصیلات انگریزی زبان میں باریک ٹائپ پر چھاپی گئی ہیں، صرف مندرجہ ذیل عبارت جو گاڑی والے کی ذمہ داری اور سزا کی سخت دھمکی پر مشتمل ہے، اردو میں اور نسبتاً موٹے حروف میں ہے، ملاحظہ ہو:

> ''ضروری ہدایت:......موٹر وہیکلز ایکٹ 1939ء کی دفعہ 125/94 کے تحت بغیر انشورنس گاڑی چلانا، یا چلانے کی اجازت دینا قانوناً جرم ہے، بغیر انشورنس گاڑی چلانے والے کے لئے تین ماہ تک قید، جرمانے یا دونوں سزائیں بیک وقت مقرر ہیں۔''

گاڑی والے کی یہ ذمہ داری اور دھمکی تو کمپنی نے بڑی صاف گوئی اور ''بے تکلفی'' سے واضح حروف میں بلکہ اردو میں بھی چھاپ دی ہے۔

(۲)......کمپنی کی ذمہ داری کیا ہے؟ اور وہ اس فیس کے عوض کیا دینے کا وعدہ کرتی ہے؟ یہ بات ''ضرورت شعری'' کی بنا پر صرف انگریزی زبان میں چھاپی گئی ہے، تاکہ موٹر رکشہ والے، ٹیکسی ڈرائیور اور ٹرک ڈرائیور جیسے کم پڑھے لکھے لوگ ان کو پڑھنے کا ارادہ بھی نہ کرسکیں، خصوصاً پاکستان جیسے ملک میں۔

(۳)......کمپنی کی یہ ذمہ داری اور متعلقہ تفصیلات باریک ٹائپ پر چھاپی گئی ہیں، کمزور بینائی والا انہیں ذہنی کوفت کے بغیر نہیں پڑھ سکتا۔

(۴)......ان کاغذات میں تلافی نقصان کے لئے زیادہ سے زیادہ جس رقم کا وعدہ کیا گیا ہے، وہ مضحکہ خیز حد تک اتنی کم ہے کہ اسے ٹریفک حادثے کے مقابلے میں ''برائے نام'' ہی کہا جاسکتا ہے، یعنی صرف بیس ہزار، انشورنس کمپنی اس سے زیادہ ادا کرنے کی ہرگز ذمہ دار نہیں، اگرچہ نقصان لاکھوں کا یا بے چارے ''تھرڈ پارٹی'' کی جان ہی کا ہوگیا ہو۔

(۵)......یہ وعدہ اتنی زیادہ شرائط کے ساتھ مشروط ہے کہ ان کو پورا کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں۔

(۶)......پھر اس وعدے سے بچنے کے لئے کمپنی کو اتنے اختیارات دیئے گئے ہیں کہ ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کمپنی اور متعلقہ قانون دراصل کسی قسم کی تلافی نقصان کا ارادہ نہیں رکھتے۔

(۷)......اس قانونی تحریر میں انشورنس کمپنی کو جگہ جگہ یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ وہ اس حقیر رقم کا دعویٰ کرنے والے کے خلاف عدالت میں اپنا دفاع کرے۔

اس رقم کے "بوجھ" سے کمپنی کو بچانے کے لئے اس قانون میں اتنی صورتیں مستثنیٰ کر دی گئی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی سمجھدار آدمی کو اس حقیر رقم کی بھی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

(۸)......اس رقم کی حد تک کمپنی سے تلافی نقصان کا مطالبہ کرنے اور اپنا حق حاصل کرنے کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ وہ بھی اچھا خاصا مبہم ہے۔

(۹)......اس رقم کی حد تک کمپنی سے تلافی نقصان کا مطالبہ کرنے اور اپنا حق حاصل کرنے کا طریقہ کار کیا ہوگا؟ وہ بھی اچھا خاصا مبہم ہے۔

(۱۰)...... یہ ساری تفصیلات ایسی فنی اصطلاحوں اور قانونی زبان میں لکھی گئی ہیں کہ ان کو سمجھنے کے لئے صرف انگریزی جاننا کافی نہیں بلکہ تلافی نقصان کا مطالبہ کرنے والے کو قانونی زبان سے بھی اچھی شد بد ہونی ضروری ہے، یا پھر وہ کسی وکیل سے مدد لے، اس کی جو فیس وکیل کو دی جائے گی، اس کا اندازہ آپ خود کر لیجئے۔

(۱۱)......جس گاڑی کے کاغذات اس وقت میرے سامنے ہیں، اس کی سال (2009ء) "تھرڈ پارٹی انشورنس" کی مطبع شدہ فیس -/466 روپے ہے، وہیں اس کی یہ تفصیل درج ہے کہ (۱) پریمیم (یعنی خالص انشورنس کی فیس جو کمپنی کے لئے ہے) -/400 روپے۔ (۲) انتظامی سرچارج (پتہ نہیں یہ کس کو ملتا ہے؟) -/20 روپے۔ (۳) سینٹرل ایکسائز ڈیوٹی -/40 روپے۔ (۴) فیڈرل انشورنس فیس (اس کا بھی پتہ نہیں کس کو ملتی ہے؟) -/4 روپے۔ (۵) اسٹیمپ ڈیوٹی -/2 روپے۔ میزان -/466۔ اب یہ فیس سال رواں 2013ء میں -/470 وصول کی گئی ہے۔

(۱۲)...... یہ فیس صرف ایک سال کے لئے کارآمد ہے، اگلے ہر سال کے لئے الگ فیس ادا کرنا ضروری ہے۔

(۱۳)......اس فیس کی ادائیگی پر کمپنی کی طرف سے جو "انشورنس کا سرٹیفکیٹ" پولیس کے چالان سے بچنے کے لئے گاڑی کے مالک کو ملتا ہے، وہ گاڑی کے کسی نئے مالک کو منتقل نہیں کیا جاسکتا، سال بھر میں اس گاڑی کے جتنے مالک تبدیل ہوں گے، ان سب کو اپنی اپنی فیس الگ الگ ادا کرنی ہوگی، ورنہ سب کا چالان ہوگا۔

(۱۴)...... کمپنی سے تلافی نقصان کی یہ حقیر رقم یعنی بیس ہزار روپے حاصل کرنے کے لئے جو طریقہ تحریر کیا گیا ہے، اسے اچھی طرح سمجھنا اور اس کے مطابق کارروائی پاکستان جیسے ملک میں کرنا عملاً کسی وکیل کے بغیر تقریباً ناممکن ہے۔

(۱۵)...... کمپنی کا ہیڈ آفس لاہور میں اور زونل آفس کراچی میں ہے، اب خود ہی اندازہ کر لیجئے کہ جس حادثے میں "تھرڈ پارٹی" کی جان یا گاڑی کو بھاری نقصان پہنچا ہے اور وہ ان دونوں شہروں سے دور رہتا ہے، اس کی رسائی کمپنی کے دفتر تک کیسے ہوگی؟

اس کے لئے تو اپنے فوری علاج یا گاڑی کی مرمت ہی سب سے بڑا مشکل مسئلہ ہے، ایسے میں آپ تصور کیجئے، وہ مصیبت زدہ انسان کیا صرف بیس ہزار روپے کے "گول مول" وعدے پر اپنی قسمت آزمائی کے لئے وکیل کی فیس، لاہور یا کراچی کے سفر، وہاں کے قیام وطعام کے مصارف اور "انشورنس" جیسے طاقتور ادارے سے نامعلوم مدت تک مقدمہ

بازی کی نئی مصیبت مول لینے کی ہمت یا حماقت کر سکے گا؟ اور اگر بالفرض وہ کراچی یا لاہور ہی میں ہے تب بھی کیا وہ بیس ہزار روپے سے کئی گنا زیادہ خرچ اور یہ ساری مصیبتیں جھیلنے کے بجائے اسی میں اپنی عافیت نہیں پائے گا کہ وہ کمپنی کے اس موہوم وعدے کو بھول جائے اور جو انشورنس فیس کمپنی نے اس سے ہر سال وصول کی ہے، اسے بھی ''بھتہ مافیا'' کے بھتوں کی طرح ایک جبری ''بھتہ خوری'' سمجھ کر صبر کر بیٹھے، بلکہ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ گاڑی کے مالکان عام طور سے یہ ''جبری بھتہ'' بھی دیگر سرکاری ٹیکسوں کی طرح کا ایک ٹیکس ہی سمجھ کر بے چوں و چرا مجبوراً دیتے رہتے ہیں۔

بہت سوں کو یہ خبر بھی نہیں ہوتی کہ یہ رقم سرکاری خزانے کے بجائے کمپنی کے سرمایہ داروں کے پاس جا رہی ہے، یوں تو یہ انشورنس فیس بظاہر صرف سیکڑوں میں ہوتی ہے، مگر انشورنس کمپنی کے سرمائے میں اس سے ہر سال کتنا زبردست اضافہ ہوتا رہتا ہے، کچھ اعداد و شمار اس کے بھی ملاحظہ ہوں، کراچی میں گاڑی کی تعداد، کراچی ٹریفک پولیس کے ڈی آئی جی کی رپورٹ جو 16 اپریل 2008ء کو جاری ہوئی، اس کے مطابق کراچی میں کل رجسٹرڈ گاڑیوں کی تعداد 2007ء میں 18,09,500 (اٹھارہ لاکھ نو ہزار پانچ سو) تھی، اس رپورٹ میں یہ تفصیل بھی دی گئی ہے کہ کراچی شہر میں 2002ء سے 2007ء تک ہر سال گاڑیوں میں کتنا اضافہ ہوتا رہا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر سال اضافے کی شرح بھی بڑھتی چلی گئی ہے، چنانچہ 2006ء میں 1,78,763 گاڑیوں کا اضافہ ہوا تھا اور 2007ء میں 1,98,743 (ایک لاکھ اٹھانوے ہزار سات سو تینتالیس) گاڑیوں کا اضافہ ہوا، اب نئی رپورٹ جس میں 31 دسمبر 2011ء تک کے اعداد و شمار ہیں، اس کے مطابق کراچی شہر میں کل رجسٹرڈ گاڑیوں کی تعداد 26,14,580 (چھبیس لاکھ چودہ ہزار پانچ سو اسی) ہے، پیچھے تفصیل آچکی ہے کہ انشورنس فیس -/466 روپے میں سے کمپنی کو -/400 روپے ایک گاڑی پر ملتے ہیں، ہو سکتا ہے کہ چھوٹی گاڑیوں مثلاً موٹر سائیکلوں کی فیس اس سے کم اور بڑی گاڑیوں مثلاً بس اور ٹرک وغیرہ کی فیس اس سے زیادہ ہوتی ہو، نیز معلوم ہوا کہ کمپنی ''سخاوت'' کرتے ہوئے بعض لوگوں اور اداروں کی فیس میں کچھ کمی بھی کر دیتی ہے، اس لئے ہم کمپنی کے ساتھ رعایت کرتے ہوئے اس کی فیس -/400 سے گھٹا کر -/300 روپے فرض کر لیتے ہیں اور 2011ء میں کراچی کی گاڑیوں کی تعداد 26,14,580 کو 300 سے ضرب دیتے ہیں تو ٹوٹل 78,43,74,000 روپے، یہ اٹھتر کروڑ روپے سے زیادہ رقم (یا اس سے کم وبیش) جو عوام سے کمپنی کو قانون کے زور پر دلوائی گئی، یہ زبردستی کی ''بھتہ خوری'' نہیں تو کیا ہے؟

یہ تو صرف کراچی کے اعداد و شمار ہیں، پورے پاکستان میں 2007ء میں گاڑیوں کی تعداد کیا تھی؟ روزنامہ ''جنگ'' کے ''ڈیویلپمنٹ رپورٹنگ سیل'' کی رپورٹ مورخہ 25 اگست 2008ء میں یہ تعداد باسٹھ لاکھ دس ہزار (62,10,000) بتائی گئی ہے، اس رپورٹ میں یہ واضح نہیں کہ اس تعداد میں چھوٹی سے چھوٹی گاڑیاں مثلاً موٹر سائیکلیں اور بڑی سے بڑی گاڑیاں مثلاً ٹرک، بسیں اور ٹرالر بھی شامل ہیں یا نہیں؟ جبکہ صرف کراچی شہر سے متعلق

رپورٹ میں ان سب قسم کی گاڑیوں کو شمار کیا گیا ہے۔

سال رواں 2013ء میں ورلڈ بینک کی رپورٹ کے مطابق پورے ملک میں گاڑیوں کی تعداد ستر لاکھ (70,00,000) بتائی گئی ہے، پاکستان بھر کی گاڑیوں کی مذکورہ بالا تعداد (70,00,000) میں بالفرض سب قسم کی گاڑیاں شمار کرلی گئی ہیں، اس تعداد کو تین سو (300) سے ضرب دے کر جواب (2,10,00,00,000) آتا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اعداد و شمار درست ہیں تو صرف ایک سال میں اس انشورنس کی فیس کمپنی (کمپنیوں) کو دو ارب دس کروڑ روپے دلوائی گئی ہے، پیچھے آچکا ہے کہ ہر سال گاڑیوں کی تعداد میں لاکھوں کے حساب سے اضافہ ہورہا ہے، اس لحاظ سے ہر سال کمپنی (کمپنیوں) کی انشورنس کی فیس میں بھی کروڑوں روپے کا اضافہ ہورہا ہے، عوام سے جن میں بھاری اکثریت غریبوں اور متوسط طبقے کی ہے، انشورنس کمپنیوں کے لئے سالانہ اربوں روپے کی ایسی لوٹ مار کو قانونی جواز فراہم کرنا، اسے بیوروکریسی اور سرمایہ داروں کی ملی بھگت کے سوا کیا نام دیا جائے؟

یہ ایک چھوٹا سا ''چور دروازہ'' ہے جس سے آپ دیکھ رہے ہیں، عوام کی دولت کیسی معصومیت اور خوبصورتی کے ساتھ سرمایہ داروں کی جھولی میں ڈال دی جاتی ہے، نظام سرمایہ داری کا، اس نظر سے تفصیلی جائزہ لیا جائے تو نہ جانے ایسے کتنے چھوٹے بڑے خوبصورت ''چور دروازے'' دیکھنے کو مل جائیں گے اور ان کو ایجاد کرنے والی ''یہودی ذہن کی چالاکی'' کی داد دینی پڑے گی۔

غرض نظام سرمایہ داری ایک ایسی خوبصورت چکی ہے جس کا ایک پاٹ بیوروکریسی (حکمران) اور دوسرا پاٹ وہ سرمایہ دار ہوتے ہیں جو حلال وحرام کی پابندیوں سے آزاد ہوں، ان دو پاٹوں کے درمیان عوام کو انتہائی بے رحمی کے ساتھ ''جمہوریت'' کے نام پر اس چالاکی سے پیسا جاتا ہے کہ پسنے والوں کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ پیسنے والا کون ہے؟

دامن پہ کوئی چھینٹ نہ خنجر پہ کوئی داغ　　تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو!

☆......☆......☆

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے تعلیمی نظریات

پروفیسر امجد علی شاکر

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ ایک معروف محاورے کے مطابق اس زمین پر قدرت کا عطیہ تھے۔ آپؒ اس اہل حق کے کارواں میں میر کارواں کی حیثیت سے شامل ہوئے جو بطحا کی وادیوں سے چلا اور ہر دور میں ہر وطن میں اپنی بھرپور توانائیوں کے ساتھ چلتا رہا تاکہ حق وصداقت کا شعلہ جس میں روشنی بھی ہے اور حرکت وتوانائی بھی، بجھنے نہ پائے۔ اہل حق کے اس کارواں کا اگر جہاد مشغلۂ حیات ہے تو علم روزمرہ، عمل اس کی عبادت ہے تو تبلیغ وتلقین اس کی ریاضت، بہرحال یہ کاروان اہل حق زندگیوں کے بوقلموں شعبوں کی طرح بوقلموں خصوصیات کا حامل رہا ہے، چونکہ انسان کو خدا تعالیٰ نے علم کی بدولت اس جہاں میں فضیلت بخشی ہے، اس لئے علم اس کارواں کا ہمیشہ طرۂ امتیاز رہا ہے، اس لئے حضرت لاہوریؒ علم کو انسان کے لئے انتہائی ضروری خیال فرماتے تھے، آپؒ جب اسکول میں داخل ہوئے تھے تو واحد طالب علم تھے جو اپنے گاؤں سے چل کر دوسرے گاؤں میں تعلیم کے حصول کے لئے جاتے تھے، بعدازاں جب آپؒ کے والدین نے آپ کو حضرت سندھی رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا تو آپؒ نے حضرت سندھیؒ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم کو جھکائے رکھا اور کبھی چون وچراں سے استاد کے حکم کا وقار زخمی نہ ہونے دیا، کبھی انقباض کے داغ سے سعادت کے حسن کو ماند نہ کیا۔

حصول علم کا شوق اس قدر تھا کہ جب بچہ بھی کھیل کود کو زندگی کا بہترین خیال کرتا ہے، آپ اپنے استاد کے پاس والدین سے دور بحر علم کی غواصی میں مصروف تھے، پھر اس پر مستزاد یہ کہ استاد کے گھر سے مدتوں دو روٹیاں آتی رہیں، ایک روٹی خدا کی راہ میں دے دیتے اور ایک روٹی سے گزارہ کرتے، اگر کبھی بھوک ستاتی تو جنگلی بیروں سے شکم کی سیری کا اہتمام کر لیتے۔ آپؒ نے کبھی کسی سے سوال کر کے خودداری کے ریشم میں ٹاٹ کا پیوند نہ ٹانکا اور نہ ہی بے صبری کی تیغ سے استغناء کی گردن کاٹی۔ آپؒ اپنے والد محترم کی بیدار مغزی اور مآل اندیشی کی توصیف فرماتے، آپ خود فرماتے تھے:

"راقم الحروف ضلع گوجرانوالہ کا رہنے والا ہے، میرے گاؤں سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر دوسرے گاؤں میں اسکول تھے، میرے والد مرحوم چونکہ علم کے قدردان تھے، اس لئے انہوں نے مجھے اسکول میں داخل کیا اور تعلیم دلائی، سارے گاؤں میں سوائے میرے اور کوئی اسکول نہیں جاتا تھا، میرے والد صاحب مرحوم کی بیدار مغزی اور مآل اندیشی کا یہ نتیجہ ہے کہ آج صوبائی دارالحکومت لاہور میں اللہ تعالیٰ مجھ ایسے گناہگار سے محض اپنے فضل وکرم سے اسلام کی خدمت لے رہا ہے، والحمدللہ علی ذالک۔"

انگریز نے ایک ایسا نظام تعلیم رائج کیا تھا جس میں اسلام کا علم اُرد کے دانے پر سفیدی کے برابر بھی نہ تھا اور یہ نظام مسلمانوں کو عیسائی بناتا نہ سہی مسلمان بھی نہ رہنے دیتا، اس لئے علماء حق نے دین کی حفاظت کے لئے دینی مدارس قائم کیے، حضرت لاہوریؒ، دینی تعلیمات کے ساتھ عصری اور فنی تعلیمات کو جاری رکھنے کے خواہاں تھے، حضرت مرحوم حضرت سندھیؒ کے ہمراہ نظارۃ المعارف میں بطور طالب علم اور پھر بطور پروفیسر پڑھاتے رہے، جہاں انگریزی اور دینی تعلیمات بیک وقت رائج تھیں، چنانچہ حضرتؒ نے زندگی بھر دین و دنیا کی تفریق پسند نہ فرمائی۔ آپؒ نے زندگی بھر کالجوں اور اسکولوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کو قرآن پڑھایا، چنانچہ اس مردقلندر کی اس کاوش کے نتیجے میں وہ کالج جہاں دینی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا تھا اور شعائر دین کو خندہ واستہزاء کا ہدف بنایا جاتا تھا، وہاں دین کی روشنی کے چراغ جگمگا اٹھے، آپ عصری تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر عمر بھر انجمن حمایت اسلام کی سرپرستی فرماتے رہے، اسی لئے آپ کو بارہا انجمن کی صدارت کی پیشکش کی گئی، اگرچہ آپ اپنی مصروفیات کی بنا پر اس منصب پر فائز نہ ہوئے، مگر اس کی سرپرستی اور اعانت سے کبھی پہلو تہی نہ کی۔

حضرتؒ نے بارہا واشگاف الفاظ میں فرمایا:

"میں ہمیشہ کہتا رہتا ہوں کہ ہم عصری تعلیم کے مخالف نہیں (تقسیم سے قبل کی بات ہے) اگر ایک ہندو ڈاکٹر آئے تو مقابلہ میں مسلمان ڈاکٹر آئے، اگر ادھر سے ایک ایل ایل بی آئے تو ادھر سے بھی ایل ایل بی آئے، ادھر سے ایم ایس سی آئے تو ادھر سے بھی ایم ایس سی آئے۔"

مگر آپ اس تعلیم کو کافی نہ سمجھتے تھے، اسے چراغ رہگزر خیال کرتے، درون خانہ کے ہنگاموں سے اس کی نامحرومی کا احساس بھی دلاتے، چنانچہ فرماتے:

"لیکن میرے بھائیو! اس دنیاوی تعلیم کو کافی نہ سمجھو، اگر اللہ کی بارگاہ میں مردود نہیں مرحوم ہونا ہے تو کچھ نہ کچھ دین بھی سیکھو، تمہاری بڑی سے بڑی دنیاوی تعلیم ایل ایل بی اور ایم ایس سی کی اللہ تعالیٰ کے دربار میں کوئی پوچھ نہیں۔"

آپؒ عابد سے عالم کو بہتر خیال فرماتے، کیونکہ عابد تو صرف اپنے دل کی دنیا میں ہی روشنی کرتا ہے اور عالم کائنات کی

چنانچہ آپؒ نے فرمایا:

''ایک عالم کی مثال ایسی ہے جس طرح ملاح بہت سارے لوگوں کو کشتی میں بٹھا کر دریا کے پار لگا دے اور عابد کی مثال ایسی ہے جس طرح کوئی خود تیر کے پار چلا جائے۔''

آپ ان فریب خوردہ شاہینوں کو جھنجھوڑتے اور ان کی خودی کو بیدا کرتے جو کرگسوں میں رہ رہ کر رسم شاہ بازی بھلا بیٹھے تھے، آپ اس مسلم کو بیدار کرتے جو کیٹس اور شیلے سے تو واقف تھا، برٹینڈ رسل اور برنارڈ سے تو آشنائی تھی مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء کی تعلیمات سے بے خبر تھا، اس لئے بڑے سوز سے فرماتے:

''میرے انگریزی دان بھائیو! آپ کے نصاب تعلیم پنجاب یونیورسٹی میں انگریز نے تمہیں پرائمری سے لے کر ایم اے یا ایم بی بی ایس یا ایل ایل بی تک کلمہ طیبہ بھی نہیں پڑھایا، آپ میں اکثر وہ گریجویٹ ہیں جنہوں نے کالج میں تعلیم پائی اور ہوسٹل میں زندگی بسر کی، انہیں کلمہ شہادت بھی پڑھنا نہیں آتا، نماز تو علیحدہ چیز ہے، بڑے بڑے اعلیٰ تعلیم یافتہ سے جا کر پوچھ لیجئے، اسلام کی بنیاد کلمہ شہادت نہیں آتا۔''

آپ قرآن وسنت کی تعلیم کو فرض اولین سمجھتے تھے، چنانچہ فرمایا:

''ماں باپ کا فرض ہے کہ اولاد کو قرآن مجید اور سنت رسول کا علم دلائیں، اسی لئے کہا کرتا ہوں کہ دین کی تعلیم دلانا اور دین دار بنانے کی کوشش کرنا ماں باپ کا فرض ہے تاکہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو راضی رکھنے کا سلیقہ آجائے۔''

آپؒ انگریزی تعلیم کے مخالف نہ تھے بلکہ انگریزی طریق تعلیم کے ضرور مخالف تھے، آپؒ اس انداز تربیت کے سخت خلاف تھے جو شاہینوں کو خاکبازی سکھائے اور شاہینی صفات کی جگہ خاکبازی کی تعلیم دے جو دلوں کو منور کرنے کی بجائے تیرہ وتار کردے، جو روح ودماغ کو تقویت دینے کی بجائے ان کے قتل کا سامان کرے، خود فرمایا:

''میں اس تعلیم کا مخالف نہیں ہوں، طریق تعلیم کا مخالف ہوں۔''

آپؒ انسان کے لئے خالی تعلیم کو ہی کافی نہ سمجھتے تھے، کیونکہ کتابیں ذہن کو ذخیرہ معلومات تو عطا کر دیتی ہیں، مگر آپ علم کے اس چراغ کو روشن کر کے اس سے دل کو منور کرنا بھی ضروری سمجھتے تھے، اس لئے فرماتے:

''اولیائے کرام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسند نشین ہوئے ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں: (۱)......علمائے کرام (۲)......صوفیائے عظام۔

علمائے کرام، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کتاب کا فرض ادا کرتے ہیں، وہ بھی حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسند نشیں ہیں، صوفیائے عظام تزکیہ کا فرض ادا کرتے ہیں، وہ قرآن کا رنگ چڑھاتے

ہیں، یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مسند نشیں ہیں۔''

تزکیہ نفس کے لئے اولیاء کرام کی صحبت آپؒ کے نزدیک انتہائی ضروری تھی کہ ولایت کے نور کے پاس بیٹھ کر تیرہ وتار دل بھی منور ہوجاتے ہیں، ان میں بھی نیکی کے پھول مہکتے، اخلاص کے غنچے چٹختے، ایثار کی خوشبو لہکتی اور صداقت کے لالہ زار کھلتے ہیں، چنانچہ فرمایا:

''مدت مدید تک اولیائے کرام کی صحبت نصیب ہو تو روحانی امراض سے شفا ہوتی ہے۔''

آپ دین کے فری اسٹائل مفکروں اور مغرب زدہ پیشواؤں کی طرح دین کو خود ہی سمجھ لینے کو زعم باطل سمجھتے تھے، آپ اس کی تعلیم اور اس کو دل میں راسخ کرنے کے لئے علماء اور اولیاء کو ضروری خیال فرماتے ہیں، آپ تاریک دلوں سے صبح روشن کی ضیا مانگنے کے قائل نہ تھے بلکہ روشن دلوں اور روشن ضمیروں کے پاس رہ کر تنویر حاصل کرنے کے قائل تھے، فرمایا:

''کامل کی صحبت میں مدت مدید تک رہنے سے ان کے کمالات کا عکس پڑتا ہے، کوئی فن ایسا نہیں جو ماہرین فن کے پاس ایک دو دن بیٹھنے یا کبھی کبھی اس کی ملاقات کرنے سے حاصل ہو سکے، درزی، بڑھئی، لوہار، معمار وغیرہ کا کوئی بھی فن ایسا ہے جو مدت مدید کی صحبت استاد کے بغیر حاصل ہوتا ہے، نہیں ہرگز نہیں، آپ جس عقل سے دنیا کے کاموں میں چلتے ہیں، اس عقل سے دین کے معاملے میں کیوں کام نہیں لیتے، جس کی صحبت میں اصلاح ہوتی نظر آئے، اس کی صحبت میں مدت تک رہنے سے رنگ چڑھ جاتا ہے۔ دنیوی علوم وفنون میں بھی یہی ہوتا ہے کہ استاد کچھ زبان سے بیان فرما کر سمجھاتا ہے اور کچھ اپنی عقل سے، روحانی تربیت میں بھی یہی ہوتا ہے، کامل کبھی کچھ ارشاد فرما کر اور کبھی اپنے عمل کے ذریعے طالب کی تربیت فرماتے ہیں، اس طرح آہستہ آہستہ ''من کل الوجوہ سالم'' ہوجاتا ہے، بشرطیکہ کامل کے ساتھ عقیدت، ادب اور اطاعت ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں مگر جن کے اپنے اندر ایمان نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت نہ تھی، ادب اور اطاعت نہیں کرتے تھے، آپ کی صحبت بھی ان کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکی:

تہی دستانِ قسمت راچہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

مگر کامل سے فیض اٹھانے کا کیا طریق ہے؟ کیا ہر شخص فیض حاصل کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں جب تک انسان مرد کامل کے حضور پامال نہ ہوجائے، کچھ حاصل نہ کر پائے گا اور جو کوئی ادب واطاعت کی متاع لے کر مرد کامل کے حضور جا پہنچے گا، اس کے دل ودماغ علوم کا گنجینہ اور معارف کا خزینہ بن جائیں گے۔''

آپؒ نے فرمایا:

”ہر کامل سے ہر طالب فیض نہیں اٹھا سکتا، اس کے لئے عقیدت، ادب اور اطاعت کی ضرورت ہے، ان کے بغیر ساری عمران کی صحبت میں رہ کر بھی دنیا سے محروم جانے والے ان گناہگار آنکھوں نے دیکھے ہیں۔“

آپؒ اہل ادب اور بے ادبوں کا موازنہ یوں فرماتے:

”میں نے ان گناہ گار آنکھوں سے اپنے دونوں مربیوں کے ہاں یہی دیکھا کہ عقیدت، ادب اور اطاعت کرنے والے چند دنوں میں جھولیاں بھر کر لے گئے اور جنہوں نے عقیدت، ادب اور اطاعت نہیں کی، وہ ساری عمر صحبت میں رہ کر بھی محروم رہے، اینٹ اگر بھٹہ میں ڈالی جائے اور نہ پکے تو وہ پلی کہلاتی ہے، کہتے ہیں کہ پلی سے کچی اینٹ اچھی ہوتی ہے کہ وہ مینہ کا مقابلہ پلی سے زیادہ کرتی ہے، اس لئے اگر اللہ تعالیٰ کسی اللہ والے کے ہاں لے جائیں تو وہاں سے پک کر نکلنے کی توفیق عطا فرمادیں، آمین۔“

آپؒ روح کی حیات کو اصل حیات خیال کرتے تھے، لہٰذا اس کی تربیت کو لازمی سمجھتے تھے، فرمایا:

”حقیقت میں انسان روح کا نام ہے، انسان اگر جسم کا نام ہوتا تو مرنے والوں کا سارا جسم پاؤں کے ناخن سے سر کے بالوں تک موجود ہوتا ہے مگر گھر والے اس کو جلد ہی قبر تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں، یہ کون سی چیز گئی، معلوم ہوتا ہے کہ اندر جو روح تھی، وہی انسان تھا، جو چیز انسان کی شکل میں نظر آتی تھی، انسان کی لاش تھی۔“

حضرت مولانا عبیداللہ انورؒ نے ارشاد فرمایا کہ حضرتؒ حصول علم کے لئے پچاس فیصد ادب اور پچاس فیصد محنت کو ضروری سمجھتے تھے اور تربیت کے لئے سو فیصد ادب کو ضروری خیال فرماتے تھے، وہی مولانا رومؒ والی بات ہوئی کہ:

پیش مردے کاملے پامال شو

☆......☆......☆

حقیقی طالب علم کون؟

حضرت مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی

طالب علم اس نوجوان اور اس بوڑھے کو کہتے ہیں جس کے اندر اس نور نسبت کو حاصل کرنے کی پیاس موجود ہو، آپ نے اسفنج کو دیکھا ہوگا، جب بھی آپ اس کو پانی میں ڈالیں تو وہ پورے پانی کو چوس لیتا ہے اور اس کی نس نس میں پانی پہنچ جاتا ہے، علم چوس انسان کو طالب علم کہتے ہیں۔ وہ اپنے اساتذہ کی خدمت میں اس طرح بیٹھتا ہے کہ جو لفظ ان کی زبان سے نکلتا ہے وہ اس کی یادداشت کا حصہ بنتا چلا جاتا ہے۔ جیسے پیاسا انسان گرمی کے موسم میں کتنی رغبت اور طلب کے ساتھ ٹھنڈا پانی پیتا ہے، طالب علم اس سے زیادہ رغبت اور طلب کے ساتھ اپنے استاد کی باتوں کو سنتا ہے، یہ مارے باندھے کا کام نہیں ہے۔ پنجابی میں کہتے ہیں "خوشی دیاں ونگاں"۔ یہ تو خوشی کی بات ہے۔

شمع علم کے گرد پروانوں کا جھرمٹ:......اس نعمت کو حاصل کرنے کے لئے انسان دن رات ایک کردیتا ہے، اس لئے طالب علم کی نظر میں دن اور رات کا فرق ختم ہو چکا ہوتا ہے۔ حضرت مدنی رحمہ اللہ جن دنوں فرنگیوں کے خلاف تحریک چلا رہے تھے، ان دنوں عوام الناس میں کام کرنا ہوتا تھا، لہٰذا آپ رات کو بڑی دیر کے بعد دارالعلوم میں واپس تشریف لاتے تھے، مگر طلبا ایسے تھے کہ انہوں نے دربان سے کہا ہوتا تھا کہ حضرت کا معمول ہے کہ وہ جب بھی تشریف لاتے ہیں، وضو فرما کر مسجد میں نفل ادا کرتے ہیں، جیسے ہی وہ تشریف لائیں، ہمیں جگا دینا، ادھر حضرت نفل پڑھ کر فارغ ہوتے اور حدیث پاک کی پوری کلاس آپ کے پیچھے کتابیں لے کر موجود ہوتی تھی، ان کے ہاں وقت کا تعین نہیں تھا، جب بھی شیخ تشریف لے آتے تھے، طلباء اسی وقت پروانوں کی طرح شمع کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔

علمی پیاس کا لاجواب اظہار:......ایک مرتبہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو وقت کے حاکم نے قید کردیا۔ چند روز گزرے تو ایک نوجوان حاکم وقت کے دربار میں آیا، وہ زار و قطار رو رہا تھا۔ جس نے بھی اس کے چہرے کو دیکھا، اس نے اس کے چہرے پر علم کا نور محسوس کیا۔ اس کا چہرہ اس آیت کا مصداق تھا:

﴿سیماهم فی وجوههم من اثر السجود﴾ (الفتح: ۲۹)

''ان کی نشانی یہ ہے کہ ان کے چہروں پر سجدوں کے اثرات ہیں''۔

وہاں جتنے بھی لوگ موجود تھے، ان کا جی چاہا کہ یہ نوجوان جو سوال بھی لے کر آیا ہے، پورا کر دیا جائے، حاکم وقت نے بھی اس کیفیت کو محسوس کیا، اس نے کہا، اے نوجوان! تم کیوں روتے ہو؟ کوئی تکلیف ہے تو ہم دور کر دیں گے، اگر کچھ چاہتے ہو تو ہم تم کو پورا کر کے دیں گے۔ جب حاکم وقت نے یہ بات کہی تو اس نوجوان نے رو کر کہا کہ میں یہ درخواست لے کر آیا ہوں کہ آپ مجھے جیل بھیج دیجئے۔ اب یہ عجیب سی بات تھی، لہٰذا حکم وقت یہ سن کر بڑا حیران ہوا، اس نے پوچھا: بھئی! آپ کو جیل کیوں بھیجیں؟ اس نے جواب دیا:

''جناب! آپ نے میرے استاد کو جیل میں بھیجا ہوا ہے جس کی وجہ سے کتنے ہی دنوں سے میرے سبق کا ناغہ ہو رہا ہے، اگر اب مجھے آپ جیل بھیجیں گے تو میں جیل کی مشقتیں اور صعوبتیں تو برداشت کر لوں گا، مگر اپنے استاد سے سبق تو پڑھ لیا کروں گا''۔

علم کے متلاشی ایسے بھی تھے:......شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں دارالعلوم میں حاضر ہوا تو اس وقت کلاس کے داخلے بند ہو چکے تھے، ناظم تعلیمات نے انکار کر دیا کہ ہم آپ کو داخلہ نہیں دے سکتے، میں نے ان سے گزارش کی کہ حضرت! آخر کیا وجہ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اصل میں بات یہ ہے کہ ہمارے دارالعلوم میں مطبخ نہیں ہے اور نہ ہی کوئی طباخ ہے بلکہ بستی والوں نے ایک ایک دو دو طالب علموں کا کھانا اپنے ذمہ لیا ہوا ہے، اس لئے جتنے طلباء کا کھانا گھروں سے پک کر آتا ہے، اتنے طالب علموں کو داخلہ دیتے ہیں اور بقیہ سے معذرت کر لیتے ہیں، اب کوئی ایک گھر بھی ایسا نہیں ہے، جو مزید ایک طالب علم کا کھانا پکانے کی استطاعت رکھتا ہو۔ حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ اگر کھانے کی ذمہ داری میری اپنی ہو تو کیا پڑھنے کے لئے آپ مجھے کلاس میں بیٹھنے کی اجازت دے سکتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا: ٹھیک ہے، اس طرح ان کو مشروط داخلہ مل گیا۔

حضرت فرماتے ہیں کہ میں سارا دن طلباء کے ساتھ بیٹھ کر پڑھتا رہتا، رات کو تکرار کرتا اور جب طلباء سو جاتے تو میں اساتذہ کی اجازت کے ساتھ دارالعلوم سے باہر نکلتا، بستی میں سبزی یا فروٹ کی دو دو دکانیں تھیں، اس وقت تو وہ دکانیں بند ہو چکی ہوتی تھیں، میں ان کے سامنے جاتا تو مجھے کہیں سے آم کے چھلکے، کہیں سے خربوزے کے چھلکے اور کہیں سے کیلے کے چھلکے مل جاتے، میں انہیں وہاں سے اٹھا کر لاتا اور دھو کر صاف کرتا اور پھر کھا لیتا، میرے چوبیس گھنٹے کا یہ کھانا ہوتا تھا، میں نے پورا سال اسی طرح چھلکے کھا کر گزارا، مگر اپنا سبق قضا نہ ہونے دیا۔

یہ بھی طلباء تھے، ان کی زندگیوں کو دیکھ کر محسوس ہوتا ہے، جیسے کسی چیز کے لئے کوئی ترس رہا ہوتا ہے، یہ حضرات علم کے لئے ترس رہے ہوتے تھے، اس لئے ان کی نظر میں استادوں کا درس سننا دنیا کی ہر چیز سے قیمتی ہوتا تھا، ان کے ہاں

ناغہ کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، الا ماشاء اللہ۔

یہ طلب ہے، جو انسان کے سینے کو نور سے روشن کر دیتی ہے، چنانچہ ہمارے علماء نے طلب علم میں وہ وہ مجاہدے کیے اور دکھائے کہ پوری دنیا کی تاریخ اس کی مثالیں پیش نہیں کر سکتی۔

علمی پیاس کی عمدہ دلیل:......ایک محدث فرماتے ہیں کہ مجھے ایک حدیث کا پتہ چلا کہ فلاں شخص کو یہ معلوم ہے، وہ حدیث پاک مجھے بھی معلوم تھی، مگر ان کی سند رفیع (اعلیٰ) تھی، ان کی روایت میں نبی علیہ السلام کے تھوڑے واسطے تھے، لہٰذا میں بھی اپنی اس سند کو بلند کرنے کے لئے نو سو میل سے زیادہ سفر کر کے ان کے ہاں پہنچا، ان سے حدیث پاک سنی اور اسی وقت سامان سفر لے کر واپس اپنے گھر آ گیا......ایک حدیث پاک کو سننے کے لئے کم و بیش ایک ہزار میل کا سفر کرنا ان کی علمی پیاس کی کتنی عمدہ دلیل ہے، محدثین کرام حصول حدیث کے لئے یوں لمبے علمی سفر کیا کرتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست:......امام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ درس دیا کرتے تھے، وہاں سے چند میل کے فاصلے پر ایک اور بستی تھی، وہاں سے بھی لوگ ان کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت! آپ ہمارے ہاں بھی درس دیا کریں، انہوں نے فرمایا کہ میرے پاس وقت بہت کم ہوتا ہے، انہوں نے کہا: حضرت! ہم ایک سواری کا بندوبست کر دیتے ہیں، آپ درس دیتے ہی اس پر سوار ہوں اور ہماری بستی میں آئیں اور وہاں درس دے کر جلدی واپس آ جائیں، اس طرح پیدل آنے جانے میں جو وقت لگے گا، وہی درس میں لگ جائے گا۔ آپ نے قبول فرما لیا۔

جب آپ نے وہ درس دینا شروع کیا تو یہ وہ دن تھے، جب امام شافعی رحمہ اللہ علیہ ان کی خدمت میں پہنچے ہوئے تھے، انہوں نے بھی اپنی درخواست پیش کرتے ہوئے کہا: حضرت! میں نے بھی آپ سے یہ کتاب پڑھنی ہے، حضرت نے فرمایا: بھئی! اب کیسے وقت فارغ کریں گے، اب مجھے یہاں بھی درس دینا ہوتا ہے اور وہاں بھی درس دینا ہوتا ہے، انہوں نے عرض کیا: حضرت! جب آپ یہاں درس دینے کے بعد سواری پر بیٹھ کر اگلی بستی کی طرف جائیں گے تو آپ سواری پر بیٹھے بیٹھے درس دے دیں، میں سواری کے ساتھ دوڑتا بھی رہوں گا اور آپ سے علم بھی سیکھتا رہوں گا......تاریخ انسانیت طلب علم کی اس سے اعلیٰ مثال پیش نہیں کر سکتی، یہ دین اسلام کا حسن و جمال ہے۔

علمی غیرت کا حیران کن واقعہ:......طلب علم کے راستے میں ہمارے اکابرین کو مجاہدے بھی کرنے پڑے، اس وقت کی مشقتیں اٹھانی پڑیں، یہ ہرگز نہیں تھا کہ ان کو سہولتیں میسر تھیں، مثال کے طور پر......

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ پڑھنے کے لئے ایک محدث کی خدمت میں پہنچے، فرماتے ہیں کہ ہم تینوں کے پاس گزر اوقات کے لئے ستو وغیرہ تھے، ہم اسی کو تھوڑا تھوڑا کر کے استعمال کرتے رہے، ہمارے سبق کے مکمل ہونے میں ابھی تین دن باقی تھے کہ ہمارے پاس کھانے کی چیزیں ختم ہو گئیں، ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ بھئی! دو آدمی تو استاد کا درس سننے کے لئے جایا کریں اور تیسرا مزدوری وغیرہ کر کے کھانے کا بندوبست کرے، تا کہ بقیہ

دنوں کے لئے کھانے کا کچھ انتظام ہو جائے، ایک ایک دن سب کو کام کرنا پڑے گا اور یوں تین دن گزر جائیں گے۔

فرماتے ہیں کہ باقی دو تو درس سننے کے لئے چلے گئے اور جس آدمی نے پہلے دن مزدوری کرنی تھی، وہ مسجد میں چلا گیا، سوچنے لگا کہ مجھے مخلوق کی مزدوری کرنے سے کیا ملے گا، کیوں نہ اپنے مالک کی مزدوری کرلوں، بالواسطہ لینے کی بجائے بلاواسطہ کیوں نہ حاصل کروں، چنانچہ انہوں نے نفلیں پڑھنی شروع کردیں، وہ نفلیں پڑھتے رہے اور دعائیں مانگتے رہے، وہ سارا دن مسجد میں گزار کر شام کو واپس آ گئے، باقی دوستوں نے پوچھا، بتاؤ بھئی! کچھ انتظام ہوا؟ کہنے لگے، جناب! میں نے سارا دن ایک ایسے مالک کی مزدوری کی ہے جو پورا پورا حساب چکا تا ہے، اس لئے وہ دے دے گا، وہ مطمئن ہو گئے۔

دوسرے دن دوسرے کی باری تھی، اپنی سوچ کے تحت انہوں نے بھی یہی راستہ اپنایا، وہ بھی مسجد میں سارا دن اللہ کی عبادت کرتے رہے اور اللہ رب العزت سے دعا مانگتے رہے، شام کو دوستوں نے پوچھا، سنائیں! کوئی انتظام ہوا؟ کہنے لگے کہ میں نے ایک ایسے مالک کی مزدوری کی ہے، جو کسی کا قرض نہیں رہنے دیتا، بلکہ پورا پورا ادا کر دیتا ہے اور اس کا وعدہ ہے کہ تمہیں تمہارا اجر مل کر رہے گا۔

تیسرے دن تیسرے نے بھی یہی عمل کیا، اللہ کی شان کہ تیسرے دن کے بعد حاکم وقت رات کو سویا ہوا تھا، اس نے خواب میں ایک بہت بڑی بلا دیکھی اور اس بلا نے اپنا پنجہ اسے مارنے کے لئے اٹھایا اور کہا: ''سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور اس کے ساتھیوں کا خیال کرو۔''

یہ منظر دیکھتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی، اس نے ہر طرف ہرکارے دوڑا دیئے اور کہا کہ پتہ کرو کہ سفیان کون ہے، اس نے ہر ایک کو درہم و دینار سے بھری تھیلیاں بھی دے دیں اور کہا کہ یہ تو اسی وقت ان کو دے دینا اور بعد میں جب مجھے اطلاع کرو گے تو میں خزانوں کے منہ کھول دوں گا، ادھر تعلیم کا دن مکمل ہوا اور ادھر پولیس تلاش کرتے کرتے مسجد میں پہنچی، پولیس والوں نے پوچھا: جی یہاں سفیان نامی کوئی بندہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ وقت کے حاکم کو یہ خواب آیا ہے اور اس نے ہمیں بھیجا ہے۔

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب دو دروازے ہیں، ایک مالک کا دروازہ اور ایک حاکم وقت کا دروازہ، ہم نے جو علم پڑھا ہے، اس میں تو یہی سیکھا ہے کہ ہم نے مالک سے لینا ہے، لہٰذا ہماری علمی غیرت گوارا نہیں کرتی کہ ہم چل کر حاکم وقت کے دروازے کے پاس جائیں......اللہ اکبر......!!! تین دن کے بھوکے تھے، مگر حاکم وقت کے پاس جانا گوارا ہی نہ کیا، بلکہ اسی حالت میں انہوں نے واپس اپنے وطن کا سفر مکمل کیا۔

یہ وہ طلباء تھے، جن کی نظر اللہ رب العزت کی ذات پر رہتی تھی اور وہ اس علم کو حاصل کرنے کے لئے مشقتیں برداشت کیا کرتے تھے، پھر اللہ رب العزت کی طرف سے ان کے لئے مدد و نصرت بھی آتی تھی۔

تشنگانِ علم کی سیرابی:......دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی ذمہ داروں میں سے ایک شاہ رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ تھے، وہ ایک صوفی اور ذاکر شاغل بزرگ تھے، جب انہوں نے ذمہ داری سنبھالی تو ایک دن وہ دارالعلوم کے کنویں پر وضو کرنے کے لئے تشریف لائے، اس وقت ایک طالب علم ان کے پاس آیا، اس کے پاس ایک پیالے میں پتلی سی دال تھی، اس نے وہ پیالہ حضرت کو دکھایا اور کہا: دیکھئے جی! آپ کی نگرانی میں دارالعلوم میں ایسا سالن پک رہا ہے، جس سے وضو بھی جائز ہو جائے، یہ کہنے کے بعد پیالہ اس کے ہاتھ سے گرا اور الٹ گیا۔

وہ لڑکا تو بھاگ گیا، لیکن جب اساتذہ کو اطلاع ملی تو اس پر بہت زیادہ شرمندہ ہوئے کہ ایک طالب علم کو یہ جرأت کیسے ہوئی کہ اس نے ناظم صاحب کے سامنے ایسی حرکت کی، اساتذہ ان کی بزرگی سے واقف تھے، لہٰذا وہ آئے اور کہنے لگے، حضرت! آپ محسوس نہ کریں، ہم نادم وشرمندہ ہیں کہ ایک طالب علم نے ایسا کیا ہے، حضرت نے فرمایا: نہیں، نہیں، وہ تو طالب علم نہیں ہے، اب استاد کہتے کہ وہ طالب علم ہے اور حضرت فرماتے کہ وہ طالب علم نہیں ہے، کسی نے کہا کہ مطبخ سے پتہ کرلو، وہاں اس کا نام ہوگا، جب وہاں سے پتہ کیا گیا تو واقعی وہاں بھی اس کا نام تھا اور وہ وہاں سے باقاعدہ کھانا لیا کرتا تھا، یہ معلوم کرکے وہ پھر حضرت کے پاس آئے اور کہنے لگے: حضرت! وہ طالب علم ہی ہے، اس کا نام مطبخ میں بھی لکھا ہوا ہے، فرمانے لگے: نہیں، وہ طالب علم نہیں ہے، پھر کسی نے کہا کہ کلاس کے استاد سے پتہ کرلو، جب استاد سے پتہ کیا تو پتہ چلا کہ اس کا نام تو وہاں بھی تھا، مگر وہ لڑکا پڑھنے نہیں آتا تھا، بلکہ کسی طالب علم سے اس کا رابطہ تھا اور وہ طالب علم اس کی حاضری لگوادیتا تھا، وہ صرف کھانا کھانے کے لئے مطبخ میں آتا تھا اور کھانا کھا کر واپس باہر چلا جاتا تھا۔

جب اساتذہ کو حقیقت حال کا پتہ چلا تو وہ سوچ میں پڑ گئے کہ شاہ صاحب تو کبھی کبھی آتے ہیں اور ہم ہر وقت یہاں ہوتے ہیں، ہمیں تو اس کی پہچان نہ ہوئی اور شاہ صاحب نے پہچان لیا، وہ اور زیادہ شرمندگی محسوس کرنے لگے، چنانچہ انہوں نے حضرت سے معافی مانگی اور عرض کیا: حضرت! ہمیں یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ آپ تو طلباء سے اتنا تعلق بھی نہیں رکھتے، پھر آپ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ طالب علم ہے یا نہیں؟ اس پر انہوں نے جواب دیا:

> ”جب میں یہاں کا نگران بنا تو ایک دفعہ میں نے خواب میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کنویں کے اوپر کھڑے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں پانی کا ڈول ہے، طالب علم لائن بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے ڈول میں پانی بھرتے جاتے ہیں، میں نے اس وقت موجود تمام طلباء کو دیکھا، لیکن اس کی شکل نہیں دیکھی تھی، اس طرح میں پہچان گیا کہ یہ دارالعلوم کا طالب علم نہیں ہے۔“

پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ جب دارالعلوم کے تمام اساتذہ اور طلباء حتیٰ کہ کام کرنے والے دربان درجہ کے لوگ بھی صاحب نسبت یعنی اولیاء اللہ ہوا کرتے تھے، اس کی کیا وجہ تھی؟ وجہ یہ تھی کہ وہ طلب علم میں سچے تھے، ان کے دلوں میں علم

حاصل کرنے کا اتنا جذبہ اور شوق ہوتا تھا کہ وہ دن رات اسی کام میں منہمک رہتے تھے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں:...... اللہ تعالیٰ نے ہمارے اسلاف کے دل میں علم حاصل کرنے کی ایسی سچی تڑپ پیدا کر دی تھی کہ جب استاد کوئی بات کہہ دیتے تھے تو وہ اسی وقت اس بات کو اپنی یاد داشت کا حصہ بنا لیا کرتے تھے...... امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ ایک اونچے قد کے شخص نے بیٹھ کر کہنا شروع کر دیا۔

قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم...... تو میں سمجھ گیا کہ یہی وہ شخص ہیں کہ جن کو امام مالک کہتے ہیں، اس وقت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ طلباء کو املاء کروا رہے تھے، سب لوگ حدیث پاک کو سن کر لکھ رہے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں چونکہ مسافر تھا، اس لئے میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا، قریب ہی ایک تنکا پڑا تھا، میں نے وہ اٹھایا اور میں نے تنکے کے ساتھ اپنی ہتھیلی پر لکھنا شروع کر دیا، تاکہ مجھے ان کے ساتھ مشابہت نصیب ہو جائے گا۔ کیونکہ من تشبہ بقوم فھو منھم...... جو شخص کسی قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے تو انہیں میں شمار ہوتا ہے۔

جب اگلی نماز کا وقت ہوا تو امام صاحب نے درس حدیث موقوف کیا اور طلباء اٹھ کر نماز کی تیاری کرنے لگے، میں وہیں بیٹھا رہا، جب حضرت کی نظر مجھ پر پڑی تو مجھے پاس بلا لیا اور پوچھا، بھئی! آپ یہ کیا کر رہے تھے؟ میں نے کہا کہ میں اپنی ہتھیلی پر حدیث لکھ رہا تھا۔ انہوں نے فرمایا: مجھے دکھاؤ؟ میں نے کہا: حضرت! وہ قلم تو نہیں تھا، وہ تو ایک تنکا سا تھا۔ فرمایا: بھئی! یہ تو ادب کے خلاف ہے۔ میں نے کہا: حضرت! میں ظاہر میں تو ہتھیلی پر تنکا چلا رہا تھا، مگر حقیقت میں اپنے دل میں یہ مضمون لکھ رہا تھا۔ حضرتؒ نے پوچھا: کیا مطلب؟ میں نے کہا: حضرت! آپ نے جو کچھ کہا، وہ مجھے سب یاد ہے۔ حضرت نے فرمایا: میں نے ایک سو سے زیادہ حدیثیں املا کروائی ہیں، ان میں سے اگر تم آدھی بھی سنا دو تو بڑی اعلیٰ بات ہے۔ فرمانے لگے کہ انہوں نے آدھی کہا، مگر میں نے پہلے نمبر سے حدیث پاک سند اور متن کے ساتھ سنانی شروع کی، جتنی لکھوائی تھیں، وہ سب کی سب زبانی یاد تھیں، لہٰذا میں نے ساری حدیثیں ان کو زبانی سنا دیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مجاہدہ:...... جو حضرات محنت و مجاہدہ کے ساتھ طلب علم میں لگتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کی بارشیں ہوتی ہیں اور انہیں اللہ رب العزت کی طرف سے قبولیت نصیب ہو جاتی ہے، ان حضرات نے علم کے حصول میں ایسے مجاہدے کئے کہ انہوں نے اپنی ضروریات کو کم کر دیا تھا، آج تو بعض طلباء ایسے ہوتے ہیں، جو اپنی خواہشات کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سال تک یہ معمول رکھا کہ وہ چوبیس گھنٹوں میں مغز بادام کے سات دانے کھا لیتے تھے اور انہی پر ان کا پورا دن گزر جاتا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے طلب حدیث میں کوفہ کے اتنے چکر لگائے کہ وہ میری گنتی سے بھی باہر ہو گئے، اب آج دیکھئے کہ ان کو اللہ رب العزت نے کیا شان عطا فرمائی، وہ حضرات علم حاصل کرنے کے لئے تڑپ رہے ہوتے تھے، جس کی وجہ سے اللہ رب العزت ان کو اتنی

عظمت عطا فرمایا کرتے تھے۔

علماء کی استقامت کو سلام:...... یہ وہ لوگ تھے، جنہوں نے اللہ کے قرآن کی اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی حفاظت کی، یہ حفاظت دو طرح سے ہوتی ہے:

(۱)...... یادداشت کے ذریعے سے۔ (۲)...... اپنی زندگی میں لاگو کرنے کے ذریعے سے۔

ان حضرات نے شریعت کے احکام کو عملی طور پر اپنے اوپر لاگو کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿والربانیون والاحبار بما استحفظوا من کتب الله﴾ (المائدة: ٤٤)

"اور درویش اور علماء، اس لئے کہ وہ نگران ٹھہرائے گئے ہیں اللہ کی کتاب پر"۔

ربانیون رب والے، جن کو ہم اللہ والے کہتے ہیں، احبار، حبر کی جمع علم والے، یعنی علماء اور صلحاء، ان کا فرض منصبی کیا ہے؟ یہ اللہ رب العزت کی کتاب کی حفاظت کرنے والے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ پل کی حفاظت کرنے کے لئے پولیس ہوتی ہے، جس طرح پولیس پل کی حفاظت کے لئے ڈیرے ڈالے ہوئے ہوتی ہے، اسی طرح علماء قرآن مجید کی حفاظت کے لئے ایک ایک آیت پر ڈیرے ڈال لیتے ہیں، وہ کسی مفتری کو اس کے مضامین میں دخل اندازی کی اجازت نہیں دیتے، اگر کوئی کوشش کرتا بھی ہے تو وہ حق اور باطل کو واضح کر دیتے ہیں، یہ ان کا فرض منصبی ہے۔ یہ چیز کب پیدا ہوتی ہے؟ جب وہ اس کتاب کو خود مضبوطی سے پکڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿یایحییٰ خذ الکتاب بقوة﴾ (مریم: ۱۲)...... "اے یحییٰ کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لو"۔

اس کا کیا مطلب؟ کیا یہی مطلب ہے کہ ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ لیجئے؟ نہیں، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ اس کی تعلیمات کو مضبوطی کے ساتھ اپنی زندگی کے ساتھ میں لاگو کر لیجئے، یہ تمسك بالکتاب ہے۔

تمسك بالکتاب والسنة فقط الفاظ پڑھنے سے نصیب نہیں ہوتا، اسی لئے جس کا عمل نہ ہو، اس کے بارے میں قرآن مجید نے کہا:

﴿کمثل الحمار یحمل اسفاراً﴾ (الجمعة: ۵)...... "جیسے مثال گدھے کی کہ پیٹ پر اٹھائے چلتا ہے کتابیں"۔

تو جو علم نافع ہوتا ہے، وہ ایسا علم ہوتا ہے، جس پر انسان کا عمل ہوتا ہے، اسی لئے مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ "علم وہ نور ہے، جس کو حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل کئے بغیر چین نہیں آتا"۔ اس لئے ہمارے اکابرین کی زندگیوں کو دیکھیں تو وہ سب آپ کو اپنے علم پر عمل کرتے ہوئے نظر آئیں گے، ان کی زندگیوں میں تقویٰ و پرہیزگاری، اخلاق حمیدہ اور تواضع و انکساری نظر آئے گی۔

عزیز طلباء! یہ اہل حق کا ایک قافلہ ہے، اس قافلے کے سرخیل امام انبیائے کرام تھے، وہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے

بندے تھے، ان کے بعد ان کے صحبت یافتہ اور پھر ان کے بعد ان کے صحبت یافتہ علماء وصلحاء، یہ ایک قافلہ ہے، جو اللہ رب العزت کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی زندگی گزار کے اس جہاں سے اگلے جہاں کی طرف جا رہا ہے، بہت سے لوگ دنیا میں آئے اور اپنی اخلاص بھری زندگی گزار کر چلے گئے، آج بھی ان مدارس میں ایسے طلباء اور علماء موجود ہیں، جو فقط اللہ کی رضا کے لئے اپنی زندگیاں اس دین کی خدمت کے لئے وقف کر چکے ہیں، چنانچہ ہمارے اکابرین میں سے کسی نے تیس سال، کسی نے پینتیس سال اور کسی نے چالیس سال تک حدیث پڑھائی، انہوں نے چٹائیوں پر بیٹھنا گوارا کیا اور جو روکھی سوکھی ملی، اس کو کھا کر صبر شکر کر لیا، انہوں نے کبھی بھی حاکم وقت کی طرف نظر نہیں اٹھائی، بلکہ انہوں نے یہ اللہ رب العزت کا احسان مانا اور انہی مدارس میں رہ کر حفاظت کتاب کو اپنا فرض منصبی سمجھا اور اس کی حفاظت کر کے دکھائی، ان حضرات کو اللہ رب العزت نے فضل اور کمال عطا کیا تھا، میں سلام کرتا ہوں ان علماء کی استقامت کو کہ جنہوں نے زندگی میں پیش آنے والی یہ مشقتیں برداشت تو کیں، مگر حکومت کے دروازے دیکھنے کی بجائے، اپنے رب کے دروازے کو دیکھا اور اسی پر اپنی نظریں جمائے رکھیں۔

یہ کون لوگ تھے؟......﴿والذین یمسکون بالکتٰب﴾(الاعراف: ۱۷۰)......"اور وہ لوگ جو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں کتاب کو"۔

انہوں نے جانیں تو دے دیں، مگر کتاب وسنت کے خلاف عمل نہ کیا، اگر ان کی داستانیں پڑھنی ہوں تو "تاریخ علمائے دیوبند" پڑھ لیجئے، اس کے اوراق گواہی دے رہے ہیں کہ ان حضرات نے حفاظت دین کی خاطر کتنی قربانیاں دیں۔

طلب علم میں ایک شہزادے کا مجاہدہ:......شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے، یہ عاجز اس کو اپنے الفاظ میں بیان کرے گا۔

"ہارون الرشید کا ایک بیٹا تھا، وہ ابتدائے جوانی سے ہی بڑا نیکوکار اور پرہیزگار تھا، اس کے دل میں آخرت کی تیاری کا غم لگ گیا تھا، وہ محل میں رہتے ہوئے بھی سادہ کپڑے پہنتا اور دسترخوان پر خشک روٹی بھگو کر کھا لیتا تھا، اس کو دنیا کی رنگینیوں سے کوئی واسطہ نہیں تھا، گویا وہ ایک درویش آدمی تھا، اب لوگ باتیں بناتے کہ یہ پاگل ہو گیا ہے۔

ایک دن بادشاہ کو کچھ لوگوں نے بہت ہی زیادہ غصہ دلا دیا کہ آپ اس کا خیال نہیں کرتے اور اس کو سمجھاتے نہیں، لہٰذا آپ اس پر ذرا سختی کریں، یہ سیدھا ہو جائے گا، اس نے بچے کو بلا کر کہا کہ تمہاری وجہ سے مجھے اپنے دوستوں میں ذلت اٹھانی پڑتی ہے، اس نے کہا: ابا جان! اگر میری وجہ سے آپ کو ذلت اٹھانی پڑتی ہے تو مجھے آپ اجازت دے دیجئے، میں علم حاصل کرنے کے لئے پہلے بھی کہیں جانا ہی چاہ رہا تھا، اگر آپ اجازت دیں تو میں وہاں چلا جاتا ہوں، بادشاہ نے غصے میں آ کر کہہ دیا کہ چلے جاؤ، چنانچہ اس نے تیاری کر لی۔

اب بادشاہ نے اپنی بیوی کو بتایا، لیکن اس وقت پانی سر سے گزر چکا تھا، چنانچہ بچے نے کہا کہ اب تو میں نیت کر چکا ہوں، لہٰذا اب نہیں رکوں گا، جب اس کی والدہ نے اس کا پختہ ارادہ دیکھا تو اس نے اسے ایک قرآن مجید دے دیا اور ایک انگوٹھی دے دی اور کہا: بیٹا! یہ دو چیزیں اپنے پاس رکھنا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور اگر تمہیں ضرورت پڑے تو انگوٹھی کو استعمال میں لے آنا، بچے نے وہ دونوں چیزیں اپنی والدہ سے لے لیں اور رخصت ہو گیا۔ وہ نوجوان اتنا خوب صورت تھا کہ لوگ اس کے چہرے کو دیکھا کرتے تھے، اس کے سامنے دنیا کی سب نعمتیں موجود تھیں۔

☆......اگر وہ چاہتا تو عیاشی میں اپنا وقت گزارتا۔ ☆......اگر وہ چاہتا تو محلات کی سہولت بھری زندگی گزارتا، مگر نہیں۔ ☆......اس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبت تھی۔ ☆......اس کے دل میں علم طلب کرنے کا شوق تھا۔

اس نے کہا: مجھے اس دنیاوی زندگی کی لذتیں نہیں لینی، مجھے تو دائمی لذتیں حاصل کرنی ہیں، لہٰذا وہ اپنے محل کو چھوڑ کر چل پڑا، یوں وقت کے شہزادے نے علم طلب کرنے کے لئے محلات کی زندگی کو بھی لات ماردی، اب اگر ان طلباء میں سے کوئی کسی امیر باپ کا بیٹا ہو تو وہ اس بات پر مان نہ کرے کہ میں اتنے بڑے گھر کو چھوڑ کر آیا ہوں، ارے! اس راستے پر تو وقت شہزادے بھی چٹائیوں پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی   منت شناس ازد کہ بخدمت گزاشت

اے دوست! تو بادشاہ پر احسان نہ جتلا کہ تو اس کی خدمت کرتا ہے، اس کی خدمت کرنے والے لاکھوں ہیں، یہ بادشاہ کا تجھ پر احسان ہے کہ اس نے تجھے خدمت کرنے کے لئے قبول کر لیا۔

وہ محلات کو چھوڑ کر دور ایک ایسی بستی میں پہنچا، جہاں علماء رہتے تھے، اس نے نیت یہ کی کہ میں مسجد میں اعتکاف کی نیت سے وقت گزاروں گا، صرف پڑھنے کے لئے استاد کی خدمت میں جاؤں گا اور ان پر بوجھ نہیں بنوں گا......اس نے گزر اوقات کے لئے یہ ترتیب بنائی کہ میں ہفتے میں ایک دن مزدوری کروں گا اور اس کے بدلے میں اتنے پیسے لوں گا، جن سے چھ روٹیاں مل سکیں، میں روزانہ ایک روٹی پانی سے چبالیا کروں گا اور یوں میرے چوبیس گھنٹے گزر جائیں گے، چھ دن کے بعد میں ساتویں دن پھر مزدوری کرلوں گا...... چنانچہ چھ دن استادوں کے پاس جا کر سبق پڑھتا تھا، ساتویں دن چھٹی ہوتی تھی، وہ اس دن مزدوری کر کے اپنے چھ دن کے کھانے کا انتظام کر لیتا تھا۔

ایک آدمی کہتا ہے کہ میں نے گھر بنانا تھا...... میں مزدور کو لینے کے لئے مزدوروں کی جگہ پر پہنچا، میں نے وہاں ایک خوبصورت نوجوان کو بیٹھے دیکھا، وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا، جب میں نے اس کے چہرے کو دیکھا تو دل میں کہا:

﴿ماھذا بشراً ان ھذا الا ملك كريم﴾ (یوسف: ۳۱)...... "یہ کوئی آدمی نہیں، یہ تو کوئی فرشتہ ہے"۔

وہ مزدور نہیں نظر آتا تھا، بلکہ وہ دیکھنے سے اشراف کا بیٹا معلوم ہوتا تھا، میں نے اس سے پوچھا: اے نوجوان! کیا آپ بھی یہاں مزدوری کرنے کے لئے آئے ہیں؟ اس نے جواب میں کہا: چچا جان! ہم تو دنیا میں پیدا ہی مزدوری کے

لئے ہوئے ہیں۔

﴿لقد خلقنا الانسان فی کبد﴾(البلد: ٤)...... "تحقیق ہم نے انسان کو مشقت کے لئے پیدا کیا ہے"۔

میں نے کہا: مزدوری کرو گے؟ وہ کہنے لگا، جی کروں گا، مگر میری دو شرائط ہوں گی، میں نے پوچھا: کون سی؟ کہنے لگا: چچا جان! میں آپ سے پورے دن کی اتنی مزدوری لوں گا، نہ اس سے زیادہ لوں گا اور نہ اس سے کم لوں گا...... یہ وہ مقدار تھی، جس سے چھ روٹیاں آجاتی تھیں...... میں نے کہا: ٹھیک ہے، اب دوسری شرط بتایئے، وہ کہنے لگا: چچا جان! جب بھی نماز کا وقت ہوگا تو آپ مجھے کچھ نہیں کہیں گے، میں تسلی سے نماز پڑھوں گا، وہ میرے مالک سے ملاقات کا وقت ہے، میں اس وقت disturbance (مداخلت) برداشت نہیں کرتا...... اگر یہ شرطیں آپ کو منظور ہیں تو میں مزدوری کے لئے حاضر ہوں۔

وہ کہنے لگا کہ میں اسے لے آیا، شام کو دیکھا تو اس اکیلے نے کئی آدمیوں کے برابر کام کیا تھا، میں بڑا حیران ہوا، میں نے اس کا کام دیکھ کر اس کو زیادہ مزدوری دینا چاہی، مگر اس نے کہا: چچا جان! میں نے کہا تھا نا کہ میں زیادہ بھی نہیں لوں گا اور کم بھی نہیں لوں گا، چنانچہ اس نے طے شدہ مزدوری لی اور چلا گیا، میں نے نیت کر لی کہ اگلے دن اسی کو لاؤں گا۔

جب میں اگلے دن پہنچا تو وہ مزدوروں کی جگہ پر نہ ملا، میں نے وہاں پر موجود مزدوروں سے پوچھا کہ وہ تلاوت کرنے والا مزدور کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: جناب! وہ تو طالب علم ہے، وہ قرآن وحدیث پڑھتا ہے، ہفتے میں ایک دن اساتذہ چھٹی کرتے ہیں، اس دن وہ مزدوری کر کے اپنے چھ دنوں کے کھانے پینے کا انتظام کرتا ہے، کیونکہ وہ مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہتا ہے، وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا، میں نے کہا: اچھا! میں ایک ہفتہ انتظار کر لیتا ہوں۔

جب میں اگلے ہفتے اسی دن پہنچا تو میں نے دیکھا کہ وہ نوجوان پھر بیٹھا ہوا تھا، کہنے لگے کہ میں اسے اپنے گھر لے آیا، مگر میں نے نیت کی کہ میں دیکھوں گا کہ اس نوجوان کے پاس کیا ہنر ہے کہ جس کی وجہ سے یہ تھوڑے وقت میں زیادہ آدمیوں کے برابر کام کر لیتا ہے، چنانچہ میں نے چھپ کر دیکھا تو ایک عجیب منظر تھا، لوگوں کو تو ایک ایک اینٹ رکھنے میں وقت لگتا ہے...... اینٹ رکھو، پھر سیدھا کرو اور پھر جماؤ...... اس کو میں نے دیکھا کہ وہ گارا ڈال کر اینٹ رکھتا جاتا اور وہ بالکل سیدھی چڑھ جاتی تھی، میں نے کہا کہ اس بندے کے ساتھ واقعی اللہ کی مدد ہے، لہٰذا اب میں اپنا مکان اسی سے بنواؤں گا۔

فرماتے ہیں کہ جب اگلے ہفتے میں اسے لینے گیا تو اس کو پھر موجود نہ پایا، میں نے مزدوروں سے پوچھا: بھئی! وہ مزدور کہاں ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جناب! وہ بیمار ہے اور وہ مسجد میں ہی لیٹا ہوا ہے، میں مسجد میں چلا گیا، میں نے دیکھا کہ وہ سر کے نیچے اینٹ رکھ کر چٹائی کے اوپر لیٹا ہوا ہے اور اسے اتنا شدید بخار ہے کہ اس کی شدت کی وجہ سے اس کا جسم سرخ اور گرم ہے، میں اس کے پاس بیٹھ گیا اور میں نے محبت سے اس کے سر کے نیچے سے اینٹ ہٹا دی اور اس کے سر کو اپنی گود میں ڈال دیا، اس کے بعد اس نے اس سے کہنا شروع کر دیا: اے نوجوان! تو مجھے پیغام بھیج دیتا، میں تیرے

لئے دوائی کا بندوبست کر دیتا، جب میں نے یہ کہا تو اس نے جواب دیا: چچا جان! جس طبیب نے شفا دینی تھی، اسی نے مجھے بیمار کیا ہے، میں اس کا یہ جواب سن کر حیران ہوا، پھر میں نے کہا: ہم آپ کے لئے اچھے ٹھکانے کا بندوبست کرتے ہیں، اس نے کہا: نہیں، میں وہ مسافر ہوں کہ جس کی منزل قریب ہے، مگر میرے پاس توشہ تھوڑا ہے، میں نے اس سے پوچھا: آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ کہنے لگا: چچا جان! میرا وجدان بتاتا ہے کہ میرا وقت تھوڑا رہ گیا ہے، اب میں آپ سے ایک درخواست کرتا ہوں کہ میرے پاس ایک امانت ہے، وہ آپ میرے بعد پہنچا دیجئے گا، میں نے پوچھا: کون سی؟ کہنے لگا: یہ قرآن مجید ہے اور یہ انگوٹھی ہے، یہ وقت کے بادشاہ کو دے دینا، اس کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنی شروع کر دی، وہ مناجات میں کہنے لگا:

''اے مالک! تو جانتا ہے کہ میں نے محلات کے عیش و آرام کی زندگی پر لات ماری اور میں تیری طلب میں اس جگہ پر حاضر ہوا، میں نے تیری خاطر یہ مشقتیں برداشت کیں، اب تیرے دربار میں میری حاضری کا وقت ہے، میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کہیں تو بھی مجھے رد نہ کر دے، تیرے در کے سوا میرے لئے تو کوئی دوسرا در نہیں۔ اے مالک! میرے اوپر رحم فرمانا، میں وہ مسافر ہوں، جس کا سفر لمبا اور اس کے پاس توشہ تھوڑا ہے۔''

اس نے ایسی ایسی باتیں کیں کہ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے، اسی دوران اس نے کلمہ پڑھا اور اس نے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی...... وہ کہنے لگے کہ تب مجھے پتہ چلا کہ جس شہزادے کی باتیں ہوتی تھیں، یہ وہی شہزادہ تھا اور علم حاصل کرنے کے لئے اتنی مشقتیں برداشت کر رہا تھا...... اللہ اکبر!!!

وہ کہتے ہیں کہ میں نے اس نوجوان شہزادے کو نہلا کفنا کر دفن کر دیا اور پھر میں ہارون الرشید کے پاس گیا، اس وقت اس کی سواری گزر رہی تھی، میں نے اسے کہا: اے امیر المومنین! آپ کو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرابت داری کا واسطہ، آپ میری ایک بات سن لیجئے، اس نے سواری روکی تو میں نے اسے قرآن مجید اور انگوٹھی دکھا دی، دیکھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا، پھر اس نے کہا: اچھا محل میں آ جاؤ، جب میں اس کے پاس محل میں پہنچا تو وہ کہنے لگا: اے اجنبی! مجھے لگتا ہے کہ تو میرے لئے کوئی غم کی خبر لایا ہے، بتا، میرے بیٹے کے ساتھ کیا ہوا؟

میں نے اسے تفصیلی واقعہ سنایا کہ وہ چھ دن علم حاصل کرتا تھا اور ساتویں دن مزدوری کرتا تھا، وہ مشقت تو اٹھاتا تھا، مگر کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتا تھا اور اس حال میں کہ مسجد میں چٹائی اس کے نیچے تھی اور اینٹ کا سرہانا بنایا ہوا تھا، اس نے کلمہ پڑھا اور اللہ کے حضور پہنچ گیا۔

جب ہارون الرشید نے یہ باتیں سنیں تو اس کی آنکھوں سے آنسو آ گئے اور وہ کہنے لگا: ''میرے بیٹے! تو عمر میں چھوٹا تھا، لیکن تو نے وہ بات سمجھ لی جو تیرے بوڑھے باپ کو سمجھ نہ آ سکی''۔

یہی وہ لوگ تھے، جن کو قیامت کے دن اس کتاب کو مضبوطی سے تھامنے والا کہہ کر اٹھایا جائے گا..... یہی وہ لوگ ہیں، جن کی زندگی گواہی دیتی تھی کہ واقعی ان کے دل میں سچی طلب تھی..... درحقیقت طالب علم وہی ہوتے ہیں، جو دلوں میں یہ عہد کر چکے ہوتے ہیں کہ اب ہم نے اپنی زندگی قال اللہ اور قال الرسول کے لئے وقف کر دی ہے، ان کو اس سے کیا غرض کہ ہمیں کھانے کو کیا ملتا ہے، رہنے کی جگہ کہاں ملتی ہے، بلکہ ان کے نزدیک یہ چیزیں عارضی بن جاتی ہیں اور علم مقصد اصلی بن جاتا ہے، ان کے نزدیک اصل چیز علم حاصل کرنا ہے، یہ حضرات دن رات چوبیس گھنٹے مستعد اور تیار ہوتے ہیں۔

اللہ کے ولی طلباء کی خدمت میں:..... ان طلباء کا اللہ رب العزت کے ہاں بڑا مقام ہوتا ہے..... حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد ہیں، ایک مرتبہ خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ہی کسی مرید نے کہا کہ جی ہمارے شیخ تو ایسے ہیں کہ جن کو اللہ نے ایسے ایسے مریدین عطا کئے اور یہ یہ مقامات عطا کئے اور حضرت اس پر خاموش رہے، اب اتنی خاموشی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے اوپر آزمائش آ گئی۔

حسنات الأبرار سيئات المقربين..... عام نیکوں کی نیکیاں مقربین کے حق میں سیئات کا درجہ رکھتی ہیں۔

جی ہاں! جب بڑوں کے ساتھ گہرا تعلق ہوتا ہے تو پھر اللہ رب العزت کے ناز بھی زیادہ ہوتے ہیں..... جی ہاں! یہ بھی خود پسندی میں شامل ہے کہ دوسرے نے تعریف کی اور آپ خاموش رہے، اسے روکا کیوں نہیں؟..... چنانچہ آزمائش کے طور پر ان پر قبض کی کیفیت آ گئی۔

سب کیفیات ختم ہو گئیں، جس کی وجہ سے آپ کئی دن روتے رہے، آپ نے اللہ رب العزت سے دعا مانگی کہ اے میرے مالک! میری کس غلطی کی وجہ سے یہ کیفیتیں بند ہو گئیں، آپ مجھ پر واضح فرما دیجئے، بالآخر آپ کو خواب میں بتایا گیا کہ یہ اس وجہ سے کیفیت پیش آئی ہے اور اب اس کا حل یہ ہے کہ آپ کے قریب ایک مدرسے میں چھوٹے چھوٹے بچے اللہ کا قرآن پڑھتے ہیں، آپ جائیں اور ان طلباء سے دعا کروائیں، ان کی دعا کی برکت سے وہ چیزیں پھر آپ کو نصیب ہو جائیں گی۔

چنانچہ آپ صبح اٹھے اور اس مدرسے میں گئے، جب خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ وہاں پہنچے تو ادب کی وجہ سے استاد بھی کھڑے ہو گئے اور شاگرد بھی کھڑے ہو گئے کہ خواجہ صاحب تشریف لائے ہیں، خواجہ صاحب کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور فرمانے لگے کہ آپ مجھے اللہ کا بڑا ولی سمجھ کر کھڑے ہو رہے ہو اور میری حالت یہ ہے کہ مجھے خواب میں حکم ہوا ہے کہ میں دعا کروانے کے لئے آپ حضرات کے پاس جاؤں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ حضرات کا بڑا مقام ہے۔

اس کے بعد چھوٹے چھوٹے بچوں نے مل کر دعا کی اور اللہ رب العزت نے خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کو وہ کیفیات پھر واپس کر دیں۔

☆.....☆.....☆

جمعۃ المبارک کی سرکاری سطح پر تعطیل کا مطالبہ

مفتی محمد زرولی خان
بانی: جامعہ عربیہ احسن العلوم، کراچی

[گذشتہ دنوں حضرت مولانا مفتی محمد زرولی خان صاحب نے وزیر اعظم پاکستان جناب محمد نواز شریف کے نام ایک خط لکھا، جس میں وزیر اعظم صاحب سے جمعۃ المبارک کی سرکاری سطح پر تعطیل کا مطالبہ کیا ہے، حضرت کا یہ خط نذر قارئین ہے۔..............ادارہ]

محترم ومکرم وزیر اعظم پاکستان جناب محمد نواز شریف صاحب دام اقبالہ

دعا وسلام کے بعد گذارش ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ''مسلمان ایک دوسرے کو خیر کی تلقین کرتے رہیں اور دین کے خلاف باتوں سے روکتے رہیں''۔ (سورہ توبہ، آیت:۷۱)

''اور ایک ایسی قوم جنہوں نے ایک دوسرے کو غلط کاموں سے منع کرنا چھوڑ دیا تھا، انہیں سخت سزا دی گئی''۔ (سورہ مائدہ: آیت:۷۸،۷۹)

''اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں پر بھی عذاب مسلط کیا جو اہم اور ضروری نصیحتوں کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے''۔ (سورہ مائدہ، آیت:۱۳)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بحر و بر کے عظیم بادشاہ اور پیغمبرِ مرسل حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر کیا ہے کہ ایک پرندے (ہدہد) نے ان سے ضروری بات کہی۔ (سورہ نمل، آیت:۲۳) تو پیغمبر اور بادشاہ وقت نے ہدہد کی بات سننے کے بعد اس کے مطابق اقدامات کیے۔ (سورہ نمل، آیت:۲۷،۲۸ تا ۴۴)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الدین النصیحۃ کہ ''دین خیر خواہی کا نام ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنے پر فرمایا کہ یہ خیر خواہی اللہ و رسول کی خاطر مسلمان فرمانرواؤں اور تمام مسلمانوں کی بھی ہونی چاہیے۔ (صحیح بخاری:۱/۱۳، صحیح مسلم:۱/۵۴)

ایک مسلمان فرمانروا کی حیثیت سے آنجناب کا بھی دینی اور اخلاقی فریضہ ہے کہ آپ اہم اور ضروری باتوں پر توجہ دیں، خلیفہ عدل حضرت عمرؓ کو سرِ بازار ایک پریشان حال خاتون نے اپنی شکایت اور فریاد سنائی، آپؓ دیر تک ان کے ساتھ کھڑے رہے اور ان کا مسئلہ حل کر کے آگے بڑھے۔(صحیح بخاری:۲/۵۹۹)

اسی طرح حضرت عمرؓ قرآن شریف کا حکم سننے کے بعد وہیں ٹھہر جاتے اور آگے نہیں بڑھتے تھے "وکان وقافاً عند کتاب اللہ"۔(صحیح بخاری:۲/۶۶۹)

اللہ تعالیٰ نے ہم مسلمانوں کو دین ماننے کا پابند فرمایا ہے، امیر اور رعایا ایک جیسے پابند ہیں، کلکم راع و مسئول عن رعیتہ۔(صحیح بخاری:۱/۳۲۴، ۳۴۷)

محترم و مکرم! میں پاکستان کا ایک عام شہری اور دینی مدرسے کا مدرس اور مسجد کا امام و خطیب ہوں، اللہ تعالیٰ نے علوم دینیہ سے وابستگی نصیب فرمائی ہے، آپ کے تمام ادوارِ سیاست اور حکومت کا میں مطالعہ کرتا رہا ہوں۔ موجودہ دور میں آنجناب کے لب و لہجہ میں خوب شیرینی و چاشنی پیدا ہوئی ہے اور آپ کے اندازِ فکر میں تدبر اور سیاسی طرزِ حیات میں سنجیدگی اور متانت دیکھنے میں آئی ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام مبارک آپ بڑی عظمت، شوکت اور جلال سے لیتے ہیں، ایک مسلمان رہنما کی یہی شان ہونی چاہیے، یہ بھی محسوس ہوا کہ آپ اپنے ارادے سے سیاست میں کسی گناہ کے ارتکاب کے لیے آمادہ نہیں، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ فرمائے۔ آمین

لیکن آپ کی خیرخواہی، پوری امت کی خیرخواہی اور سرزمین پاکستان کے ساتھ ہمدردی کے پیش نظر عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام میں "یوم الجمعہ" ہفتہ بھر کے ایام میں مبارک و مقدس دن ہے، اسے تفاسیر معتبرہ میں "عید المساکین" بھی کہا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس دن کی فضیلت، اہمیت اور ضرورت پر مستقل ایک سورت "سورہ جمعہ" نازل فرمائی ہے۔ صدہا احادیث مبارکہ میں اس جمعہ کے فضائل اور فوائد و برکات اور آداب بیان ہوئے ہیں، "فضائل جمعہ" کتب احادیث کا ایک مستقل عنوان ہے، صحاح، سنن اور حسان کتب اس سے بھری پڑی ہیں۔

امیر المؤمنین حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اسلامی افواج کو حکم دیا تھا کہ تم جمعرات سے شہر کے قریب ہونے لگو اور نماز جمعہ پڑھ کر اس کے بعد اپنے کام کاج اور سفر جاری رکھو۔

(عقد الفرید:۱/۴۹، الفاروق:۲۱۷، المنہاج الواضح:۳۰۵)

غور فرمایئے کہ جمعہ کے اہتمام میں جمعرات سے افواج جیسے اہم طبقہ کو پابند کیا جا رہا ہے، لہٰذا جمعہ کا دن مذہبی ہونے کے علاوہ سرکاری تعطیل کا دن بھی ہے۔ یہ صرف عام نماز نہیں ہے جو عام نمازوں کی طرح پڑھ لی جائے بلکہ اس کا اہتمام اور بہت سارے آداب بجالانے کے لیے باقاعدہ تیاری کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا قرآن میں یہ لکھا ہے کہ جمعہ کے دن چھٹی کی جائے؟...... ان سے پوچھا جائے، کیا اتوار

کے دن کی چھٹی کسی آیت، حدیث وتفسیر کی وجہ سے کی گئی یا دنیائے عیسائیت کے تسلط اور غلبہ ماننے کی وجہ سے؟......

واضح رہے کہ ہفتہ کا دن یہودیوں کا مذہبی دن ہے اور ''یوم السبت'' (ہفتہ کے دن) کو آج بھی ''تل ابیب'' میں چھٹی ہوتی ہے اور چونکہ دنیا کے اکثر حصوں پر عیسائی راج رہا ہے اس واسطے اتوار کی چھٹی منائی جاتی ہے۔

آنمحترم! جس اسلامی ملک اور مرکز ایمان میں سیاسی مہمانی گزار کر تشریف لائے ہیں یعنی سعودی عرب میں، الحمد للہ وہاں بھی جمعۃ المبارک ہی کو پورے ملک کی مذہبی و سیاسی چھٹی ہوتی ہے۔قریبی ملک افغانستان میں جب امارت اسلامیہ محفوظ تھی تو سرکاری چھٹی جمعہ کو ہوتی تھی۔

آنجناب کے گذشتہ دورِ وزارت عظمیٰ میں جمعہ مبارک کی یہ شان مجروح ہوئی ہے، ملک کے مقتدر مذہبی، سیاسی اور سماجی طبقات نے مختلف اوقات میں اس پر اپنی ناراضگی ظاہر فرمائی اور جمعہ کی سرکاری بحالی کا مطالبہ فرمایا تھا۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے تیسری مرتبہ ایک زریں موقع اور بیش بہا وقت نصیب فرمایا ہے، ہمت فرمایئے اور بغیر تاخیر کے خدا کے دیے ہوئے اس عظیم مینڈیٹ اور اس موہوبہ وزارت عظمیٰ اور سیاسی گھن گرج جیسے خدائی احسان کا عملی شکریہ بجالاتے ہوئے جمعہ مبارک کی تعطیل بحال فرمایئے اور اس سلسلے میں اپنے فرائض منصبی کو خوب خوب استعمال فرمایئے۔

اب کے سے جو ملے ہو تو جی بھر کے دیکھ لو   شاید کہ پھر ملیں تو یہ ذوقِ نظر نہ ہو

میں اس سلسلہ میں آنجناب کی بر وقت توجہ، قیمتی اعلان اور مضبوط اقدامات کا منتظر رہوں گا۔ پوری قوم، مسلمانوں کا عظیم دھڑہ، پاکستان کا چپہ چپہ اور پورے عالم اسلام کی منتظر نگاہیں اور شاکرانہ ادائیں آپ کے ساتھ رہیں گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مدد ونصرت فرمائے اور ملک وملت کی خیر خواہی، حفاظت اور فلاح و بہبود کے لیے جو اقدامات آپ کرنا چاہتے ہیں ہیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ آنمحترم کو اور آپ کے مخلص ساتھیوں کو بھرپور توفیق نصیب فرمائے۔آمین

بار دنیا میں رہے غمزدہ یا شاد رہیں   ایسا کچھ کر کے چلیں تا کہ بہت یاد رہیں

والسلام

☆......☆......☆

دعوتِ ملاقات

دیسی علاج کو انگریزی علاج کی ماں کہا گیا ہے چنانچہ جس طرح ماں کے دامن میں ہی حقیقی خیر و عافیت ہوتی ہے اسی طرح بغیر کوئی دوسرا نقصان پہنچائے مستقل علاج دیسی علاج ہی ہے میں نے پہلے ہربل فارمیسی بنائی بارہ سال کے عرصہ میں لاکھوں مریضوں کی ادویات پورے ملک میں حکماء اور ڈاکٹر حضرات کو سپلائی کیں۔ پھر مختلف شہروں میں مختلف مطبوں پر بطور طبیب ملکی و غیر ملکی کم از کم ایک لاکھ مریضوں کا علاج کیا اسی طرح لاہور کے طبیہ کالج میں علم القابلہ امراض نسواں و امراضِ خاص مردانہ کا لیکچرار رہا ہوں۔ دو ایوارڈ اور ایک گولڈ میڈل حاصل کر چکا ہوں۔ شفاء اللہ کے ہاتھ میں ہے تاہم خداداد قابلیت اور ذہانت کی بناء پر درج ذیل امراض کے کامیاب علاج کا یقین دلاتا ہوں۔

امراضِ مردانہ: بغیر نشہ آور ادویات یا کشتہ جات دیے امراضِ مردانہ کا کامیاب علاج کیا جاتا ہے۔

امراضِ زنانہ: ایام کی خرابی، لیکوریا، اٹھرا کا علاج کر کے بانجھ عورتوں کو صاحب اولاد ہونے کے قابل بنایا جاتا ہے۔

امراضِ بچگانہ: سوکھے اور لاغر بچوں کو موٹا تازہ کیا جاتا ہے اور نہ چل پھر سکنے والے بچے چلنے لگتے ہیں نہ بول سکنے والے بچے بولنے لگتے ہیں۔

دماغی امراض: جنون مالی خولیا، بے خوابی نسیان اور اعصابی کمزوری کا علاج کیا جاتا ہے۔

زہروں کا تریاق: بواسیر، سوزاک آتشک کا کامیاب علاج کیا جاتا ہے۔

حرفِ آخر: حکومت پاکستان سے مستند اور رجسٹرڈ درجہ اول ہوں لہٰذا تمام امراض کے علاج پر مکمل عبور حاصل ہے۔ پڑھے لکھے طبقہ کو میری خصوصی دعوت ہے۔

نمبر شمار	نام کورس	قیمت فی کورس	نمبر شمار	نام کورس	قیمت فی کورس	نمبر شمار	نام کورس	قیمت فی کورس
1	سوکڑہ	1000	11	السر	2000	21	عرق النساء	3000
2	پتھری	1000	12	سنگرہنی	2000	22	بواسیر	3000
3	عصابہ	1500	13	نقرس	3000	23	ٹی بی	3000
4	لکنت	1500	14	وجع المفاصل	3000	24	دبلاپن	3000
5	شقیقہ	1500	15	تحجر المفاصل	3000	25	کمی خون	3000
6	رال بہنا	1500	16	بال گرنا	3000	26	استسقاء	5000
7	خواب میں ڈرنا	1500	17	بالچر	3000	27	دل میں سوراخ	5000
8	ہونٹ و زبان پھٹنا	1500	18	بال سفید ہونا	3000	28	جنون	5000
9	دمہ	2000	19	آتشک	3000	29	ہیموفیلیا	10000
10	بلڈ پریشر	2000	20	تقطیر البول	3000	30	لیوکیمیا	10000

☆ کورسز بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے رقم پہلے بھیجیں۔ ملاقات کرنے کے لیے فون پر پہلے وقت لے لیں۔

☆ شناختی کارڈ نمبر: 35103-1466875-3 ☆ اکاؤنٹ نمبر، حبیب بنک عمر آباد: 13487900227901

☆ اکاؤنٹ نمبر UBL اومنی 0345-7545119 ☆ اکاؤنٹ نمبر میزان بینک پتوکی: 7001-0101053034

حکیم حاجی عبدالکریم بھٹی نئی منڈی حبیب آباد (واں رادھا رام) تحصیل پتوکی ڈویژن لاہور

موبائل نمبرز: 0345-7545119,0321-7545119 ای میل ایڈریس: hakeemakarim_bhatti@yahoo.com

اِحیائے ثقافتِ اسلامی کی تحریک

ڈاکٹر حافظ صفوان محمد چوہان

دعوت وتبلیغ کا کام اپنے حقیقی معنوں میں حضرت آدم علیہ السلام کے دنیا میں تشریف لانے سے شروع ہوتا ہے۔ جتنی انسانی آبادی اُن کی حیات تک موجود رہی وہ اُن سب کے باپ اور مربی تو تھے ہی، اُن کے نبی اور رسول بھی تھے۔ اپنی اولاد اور اپنی اِس امت کو خالقِ کائنات کا تعارف کرانا، اُس کی مرضیات پر چلنے یعنی اطاعت وعبادت پر آمادہ کرنا، زخارفِ دنیا میں اُلجھ کر راہ گم کر دینے کے بجائے آخرت کو مطمحِ نظر بنائے رکھنے پر لانا، وغیرہ، سب امور اُن کے فرائضِ منصبی تھے۔ اِن فرائض کو ایک نبی اور ایک باپ کی حیثیت سے ادا کرتے کرتے وہ اپنے اللہ کے حضور حاضر ہو گئے۔

اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے جن لوگوں کو نبوت اور رسالت جیسے عالی منصب کے لیے انتخاب کیا اُن کی زندگیوں میں یہ دونوں خصوصیات کچھ ایسی واضح اور توام نظر آتی ہیں کہ گویا اُن کی فطرتِ ثانی ہوں، یعنی باپ والی شفقت کے ساتھ امت کے مرد وزن کو اِطاعتِ خالق پر آمادہ کرنا۔ جتنے بھی نبی دنیا میں تشریف لائے وہ اللہ کی حدود کو پھلانگنے والے مجرموں اور اللہ کی اطاعت کے نشے میں مدہوش بندوں، دونوں طرح کے آدمیوں کے لیے یکساں محبت اور شفقت کا پرتو ہوتے تھے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ پاک نے آخری نبی بنا کر دنیا میں بھیجا اور اُن کی بعثت کے بعد نبوت اور رسالت کا دروازہ قیامت تک کے لیے بند کر دیا۔ دنیا میں آنے والے پہلے نبی سے لے کر آخری نبی تک سب انبیاء ایک ہی مقصد لے کر آئے، یعنی مخلوق کو خالق سے جوڑنا۔ اِس مقصد کے پورا کرنے کے لیے نبی مخلوق میں سے کسی سے بھی کسی نفع کا طالب یا متمنی نہیں ہوتا بلکہ اپنی جان پر جھیل کر یہ کام کرتا ہے۔ ہر نبی ورسول نے دعوت وتبلیغ کا کام کرتے ہوئے یہ اعلان کیا کہ وہ اپنا اجر سوائے اللہ کے اور کسی سے نہیں چاہتا۔ ﴿اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْن﴾ سب نبیوں کی اجتماعی آواز ہے جسے قرآنِ پاک نے محفوظ کیا ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی سے اجر کا طالب نہ ہونا تبلیغِ دین کے کام کی

اصالت کا معیار ہے۔ جس طرح کوئی باپ اپنی اولاد کے لیے نفع رسانی کی کوئی بھی کوشش کسی مالی یا دنیاوی منفعت کی حرص یا امید میں نہیں کرتا بلکہ خالصتاً باپ ہونے کی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے اور شفقتِ پدری کی وجہ سے کرتا ہے اُسی طرح نبی بھی ہر ہر امتی کو جنت کے دروازے پر لا کھڑا کرنے کے کام کی مشقت اپنی ذمہ داری اور امت کے لیے بے کراں، بے تعصب اور بے میل شفقت کی وجہ سے اُٹھاتا ہے۔ بندوں کا بندوں میں نبی سے زیادہ بے غرض پرسانِ حال کوئی نہیں ہوتا اور کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ نبی اگر کسی امتی پر حد جاری کرتا ہے یا مثلاً کبھی تلوار اُٹھاتا ہے تو بھی اُس نیت سے جس سے ایک باپ اپنی اولاد کے جسم میں پیدا ہو جانے والے ناسور پر نشتر لگاتا ہے۔

یہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اِسی شفقت اور محبت کا نتیجہ تھا اور اپنوں پرایوں ہر ایک کو دنیا و آخرت کی بھلائیوں اور کامرانیوں کا حقدار بنانے پر مصر اور تُلا ہونا، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سبھی ساتھی (رضوان اللہ علیہم اجمعین) آپ پر دل و جان سے فدا تھے اور "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں" کے خیر مقدمی الفاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اور تخاطب کرتے تھے۔ اِس شفقت اور محبت کا امت میں ظہور یوں ہوا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی جان کو اپنے مسلمان بھائی کے مقابلے میں ہلکا جانتے تھے۔ دنیا کا فائدہ درپیش ہوتا تو خود کو پیچھے کر لیتے اور دین کے لیے مشقت کا کام سامنے آتا تو خود کو آگے کرتے۔ کہیں نام آوری یا ناموری کا موقع بنتا تو منہ پر کپڑا ڈال لیتے اور کہیں جان دینے کا موقع بنتا تو آگے آگے ہوتے۔ زندگی کی آخری سانس تک اور قبر کے گڑھے میں اُترتے تک اپنے بھائیوں پر ایثار کرتے۔ اُن میں کا دکاندار اپنے گاہک کو خود دوسرے دکاندار کی دکان پر بھیج دیتا تھا کہ اُس کی بھی بکری ہو جائے۔ یوں ایک ایسا ماحول وجود میں آ گیا تھا جس میں ہر ایک کا جان و مال محفوظ تھا۔ ہر ایک کا کاروبار ترقی بھی پا رہا تھا۔ کوئی شخص بے کار اور بے گھر نہ تھا۔ حتیٰ کہ دور دور تک زکوٰۃ کا مستحق کوئی نہ ملتا تھا اور یہ دنیاوی آسائش و ترقی صرف آنکھ بند ہونے تک کے زمانے کے لیے نہیں تھی بلکہ اُخروی درجات کی ترقی کا ضمیمہ بھی تھی اور یہ لوگ جو مدتِ مدید سے غیر مہذب، بے حیثیت اور بے وقعت تھے، دیکھتے ہی دیکھتے جہاں گیرو جہاں دار اور جہاں بان و جہاں آرا ہو گئے۔ یہ سب اِس لیے ہوا کہ ایمان سازی سے مملو افراد سازی کی ایک مسلسل محنت کی وجہ سے اِن لوگوں میں ایمان جیسی بے مثال قوت، اعمال جیسا کارگر ہتھیار اور حیا جیسا یکدانہ جوہر وجود میں آ چکا تھا۔

محبت، شفقت، اِکرام اور رحم کاری کے یہ مظاہر مسلمانوں میں صرف اپنے دینی بھائیوں کے لیے مخصوص نہیں رہے تھے بلکہ تمام مخلوق اِن سے متنفع ہو رہی تھی اور غیر مسلموں سے معاملات حتیٰ کہ جانوروں سے سلوک تک میں یہ اثرات نفوذ کیے ہوئے تھے۔ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سالہا سال کی مشقت، مدینہ منورہ اور تمام فرماں روا اسلام کے اندر اِس ماحول اور اِس ثقافت کو وجود میں لانے کا سبب بنی تھی جس میں تحفظِ مراتب یعنی بڑے چھوٹے کا لحاظ، حقوقِ انسانی کی پاسداری اور تمام مخلوق سے اللہ کے حکم کے مطابق اور موافق سلوک کرنا ہی فخر و مباہات کا باعث تھا نہ کہ دنیا کی چیزوں اور عہدوں کا کسی کی ذات میں جمع ہو جانا یا کر لیا جانا۔ امتِ مسلمہ کی حیثیت قدر و قیمت سے ہے نہ کہ قد و قامت سے۔

تہذیب کے فریب کا انسان تھا شکار ریگِ عرب نے کھولی حقیقت سراب کی

لیکن غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ سب برکات ضمناً حاصل ہوئی تھیں۔ روٹی، کپڑا، مکان، ملازمتوں، ترقیاتی منصوبوں اور بڑے منصوبوں (Mega Projects) کا اعلان کسی نبی نے نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کبھی یہ اعلان نہیں کیا کہ مجھے لوگوں کی معاشی صورتِ حال یا معیارِ زندگی بہتر کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا ہے یا میری بعثت کا مقصد امن وامان کی صورتِ حال کی بہتری ہے۔ یہ تمام لذائذ جن کے حاصل کرنے کے لیے آج پوری دنیا میں دوڑ لگی ہوئی ہے اور جن کے حصول کے لیے سب سے زیادہ خرچ کیا جارہا ہے، اللہ کا انعام ہیں۔ انعام صرف اُسے ملتا ہے جس سے انعام دینے والا راضی ہو۔ قرنِ اوّل کے مسلمانوں کو یہ انعامات اِس لیے ملے کہ وہ دین اور اشاعتِ دین کو اوڑھے ہوئے اور اپنی زندگیوں میں پہلے نمبر پر رکھے ہوئے تھے اور بقیہ ضروریات کو ثانوی درجہ دیتے تھے۔ آج مسلمان نے اپنی زندگی کی ترجیحات تلپٹ کردی ہیں اور ثانوی درجہ والی چیزیں پہلے درجے پر لے آیا ہے۔ یوں اللہ ناراض ہوگیا ہے اور وہ سب انعامات ملنا بند ہوگئے ہیں جو پہلے ملا کرتے تھے۔ دنیا میں امن وآشتی، راحت، شجاعت، غیرت، ایمان، حیا اور اِس قبیل کی ساری برکات کا اترنا بند ہوگیا ہے۔ غیر مسلموں کو تو امن وآشتی جیسی چیزیں ملی ہی مسلمانوں کی وجہ سے تھیں۔ جب خود اُن پر ہی یہ انعامات بند ہوگئے ہیں تو اُن کے طفیلیوں کو یہ کیسے ملیں؟

بحیثیتِ امت مسلمہ آج اپنا مقصد بھول چکے ہیں۔ افسوس پر افسوس اِس بات کا ہے کہ امت یہ بھولنا بھی بھول چکی ہے۔ یوں منزل کھو بیٹھنے کے احساس سے تہی ایک انبوہِ مردوزن ہے جو بے مقصد سرگرداں ہے۔ ہر چمکتی چیز اور ہر نئی آواز کی طرف اندھادھند لپک جانا اِن پر ختم ہے۔ ایک طرف سے دھتکار پڑتی ہے تو یہ دوسری طرف رخ کرلیتے ہیں۔ وہاں سے جوتا پڑتا ہے تو کسی تیسری طرف کو ہولیتے ہیں۔ جب وہاں سے بھی نچوڑ لیے جاتے ہیں تو کسی چوتھی طرف ڈھئی دے دیتے ہیں۔ اور جب وہاں اچھی طرح اوقات خراب کراچکتے ہیں تو اپنے ڈھیٹ پن کے ہاتھوں مجبور ہوکر پھر سے پہلی طرف ہی کو مڑ آتے ہیں کہ شاید ہماری کوئی ضرورت پیدا ہوگئی ہو۔ سجدہ گاہیں ختم ہوجاتی ہیں لیکن دردر جبہہ سائی کے عادی اِن یاتریوں کی یاتایات ختم نہیں ہوتی۔ جس امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبلے کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتا چھوڑ کر گئے تھے، کم قسمتی سے آج دنیا میں ہر سَمت اپنا قبلہ رکھتی ہے، کہیں منہ کرکے نیت باندھ کر مال مانگتی ہے، کہیں اسبابِ حفاظت وصحت کے حصول کے لیے سجدہ ریز ہے، کہیں نظامِ تعلیم کی عطا کے لیے منزل انداز ہے، اور کہیں محض تعلقات اُستوار رکھنے کے لیے ناک سے لکیریں کھینچ رہی ہے۔ لامقصدیت امت کا سب سے بڑا بحران اور سانحہ ہے۔ اُن اسلاف کا نام لیوا یہ مسلمان جو دورانِ جنگ میں دشمن کی فوج کے سپہ سالار کو اپنی چھاؤنی میں لاکر طبی امداد دینے جیسی انسانیت کا مظاہرہ کرگئے ہیں، دنیا کی محبت اور موت سے کراہیت کی وجہ سے چند ٹکوں کے عوض (بلکہ اکثر اپنے ہی وسائل سے) اپنے مسلمان بھائیوں کو ذبح کرادینے اور مسلمان ممالک کا تیاپانچا کرادینے کے ہیٹھے پن تک آ گیا ہے۔

امت کی ایسی مت ماری گئی ہے کہ یہ اپنے صیاد کو اپنا ہمدرد سمجھے ہوئے ہے: وہ اِسے مرغیوں کی طرح پالتا ہے، اور یہ یہ سمجھتی ہے کہ اُسے چوگا اپنے ذاتی فائدے کے لیے دیا جا رہا ہے۔ ملکوں ملکوں کشکول بجاتے پھرنے اور دنیازادگی کی نحوست نے مسلمان سے اُس کی مسلمانیت کا جوہر اور پہچان چھین لی ہے۔

مایا کے جادو نے گیان کے لکھشن بندھن توڑے جوگی جی سے مالا چھوٹی، سادھو سے لنگوٹ

وحی وتنزیل کا سلسلہ بند ہونے کے بعد جوں جوں حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانے سے بُعد ہوتا گیا، بحیثیتِ امت اعمالِ دعوتِ دین کو مقصد کے درجے میں رکھ کر کرنے میں تدریجاً کمی ہوتی گئی۔ ہر دور میں دین کی فکر رکھنے والے اسلاف اِس انحطاط کو دور کرنے کی سعی فرماتے رہے ہیں اور اُن کی محنتوں کے شان دار، دور رس اثرات مرتسم بھی ہوتے رہے ہیں۔ ماضیِ قریب یعنی تیرھویں اور چودھویں صدی ہجری میں بھی کئی لوگوں اور جماعتوں نے امت کو مقصد پر لانے کی کوششیں کی ہیں۔ مدارس، مساجد، اشاعتِ کتب اور اپنے اپنے دور کے تمام آلاتِ نشر واشاعت کو استعمال کرتے ہوئے دین کے پھیلانے کی فکر کرنا، راہ بھٹکی ہوئی امت کا غم کھانا اور اصلاحِ احوال کی فکر کرنا اللہ نے کئیوں کو نصیب کیا۔ کچھ راستہ چلنے کے بعد یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ ابطال اور انکار یا مناظرہ کی بجائے— یا اپنے ظن وتخمین یا اپنی خواہشات کو کسی من پسند یا مطلوب سانچے میں ڈھال کر اُس کا نام اشاعتِ دین رکھ دینے کی بجائے— دین کو خالص شکل میں پیش کرنا اور اُس پر لوگوں کو چلنے پر آمادہ کرنا ہی اصل ہے کیونکہ دین صرف دین ہی کی محنت سے آئے گا؛ اور یہ کہ کسی بات کا صرف پہنچا دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ لوگوں کو اُس پر لے آنا زیادہ نفع مند ہوتا ہے۔ اِن غمخوار مصلحینِ کرام پر یہ بھی کھلا کہ لوگوں کو ایک طرزِ زندگی سے دوسرے طرزِ زندگی پر لے آنے میں اُن کے ماحول کا بدلنا، خواہ عارضی طور پر سہی، بنیادی شرط ہوتا ہے۔

آج جب کہ مشغولیت سب سے بڑا عذاب ہے اور وقت کسی کے پاس نہیں، اللہ نے امت پر رحم کیا اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ پر دین کے زندہ کرنے کی محنت اور امت کو مقصد پر لانے کا کام ایسے انداز میں کرنے کا ڈھنگ کھولا جو اپنی بُنت، ڈھب اور شباہت میں اصلِ اوّل سے قریب ترین بھی ہو اور امت کا بلا تخصیص ہر طبقہ انتہائی قلیل وقت میں دین کی مبادیات کا ضروری علم، تجربے کے ساتھ حاصل کر سکے۔ ماحول میں چونکہ دینداری بہت کم ہے اِس لیے ایک آدمی محنت وریاضت سے خواہ دین کے کیسے ہی بلند مقامات کو پا چکا ہو، کے لیے کچھ وقت کے بعد اپنے سب مشاغل کو ملتوی کر کے خالص دین کے ماحول میں کچھ وقت گزارنا ضروری ہو جاتا ہے۔ سلامتیِ قلب اور تطہیرِ فکر ونظر کا یہ مقصد جس کی ضرورت سے کوئی مسلمان بے نیاز نہیں رہ سکتا، پہلے خانقاہوں سے بتمام وکمال حاصل ہو جاتا تھا لیکن آج کی مصروف زندگی اور اِس پر مستزاد بے انتہا معاشی دباؤ کی وجہ سے کاروبارِ حیات کو تج کر دنیا سے یکسو ہو جانا اور ایک بڑی مدت تک کسی اللہ والے کی جوتیاں سیدھی کر کے دین والی زندگی کو سیکھنا امت

کے بڑے طبقے کے لیے اب ممکن نہیں رہا۔ جب دین کی طلب اور اعمال کا ذوق وشوق ہی باقی نہ رہا ہو، اللہ کی جناب میں حضوری کا احساس ہی مرگیا یا کم سے کم مضمحل ہوگیا ہو، اور سنن ومستحبات تو الگ رہے، فرائض بھی بوجھ محسوس ہونے لگے ہوں تو خانقاہوں میں کون جائے؟ یہی وجہ ہوئی کہ آج کے مصروف زمانے میں تبلیغی جماعت کے عرف سے موسوم اِس چلتی پھرتی خانقاہ کو اللہ پاک نے قبولِ عام عطا فرمایا جس میں دین کے مبادیات ہی کا نہیں بلکہ جس میں ہزاروں لاکھوں مشغول افراد انفرادی واجتماعی زندگی کے بے شمار پہلوؤں کے ضروری آداب اور اپنے دنیوی شغل کو دینی ترتیب پر چلانے کا ڈھنگ بھی بہت ہی کم وقت اور انتہائی کم خرچ میں ہاتھ کے ہاتھ سیکھ لیتے ہیں ۔۔۔ بلکہ صرف سیکھ ہی نہیں لیتے بلکہ دوسروں کو یہ سب کچھ سکھانا بھی سیکھ لیتے ہے اور دوسروں کو یہ سب کچھ سکھانے والا بھی بنادیتے ہیں۔ تبلیغ کے ''چھ نمبر''، تعلیم وتعلم کی اِس ترتیب کی مہان بنیادیں ہیں۔ اِس کام کے ذریعے ہر ہر فردِ امت کو مومن، مصلی، عالم، ذاکر، خلیق، مخلص اور داعی بنانے کی محنت کی جارہی ہے۔

یہ بات عام ہے کہ امت کے لیے درد اور کڑھن کی جو غیر معمولی کیفیت اللہ پاک نے مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کو ودیعت کی تھی، اُس میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ امت کے مذہبی جذبات ومیلانات اور سرمایۂ درد کو جس طرح شیطان کے حوالے کیا جارہا تھا اور صلاحیتوں اور مالی وسائل کو جس بے دردی سے بے جگہ اور عارضی (اور بیشتر دنیاوی) مقاصد کے حصول کے لیے جھونکا اور جھونکوایا جارہا تھا، اللہ نے حضرت مولاناؒ پر اسے روشن کردیا تھا۔ کہیں ابنائے زمانہ کی جھپیٹ میں آکر دوسروں کی دنیا بنانے کے لیے اپنی آخرت برباد کرنے والے مسلمانوں اور کہیں دین فروش یا سادہ خیال اصحابِ کلاہ ودستار کے ہاتھوں لُٹنے پِٹنے والے مسلمانوں کی حالتِ زار اور اِس کے نتیجے میں دنیاوآخرت کی بربادی کے اِس ادراک نے اُن کو وہ بے آرامی نصیب فرمادی تھی جو دینِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوش دار اور راہ دان مقتداؤں کا جوہرِ اصلی رہی ہے ۔۔۔ دین کے مٹنے کے غم کی شدت سے ہونے والی وہ بے آرامی جو نیندیں اُڑادیا کرتی ہے۔ وہ یہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ وہ گناہ جس کی وجہ سے اِس امت کی قسمت ہی بدل گئی، وہ گناہ جہاں ہوا، جس سے ہوا، ہم اُس کی معافی مانگتے ہیں۔ یا اللہ یہ گناہ، یہ جرمِ عظیم معاف فرمادے۔

دعوتِ دین کی تجدید کا کام جو اللہ پاک نے مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ سے لیا اور جو اِس وقت بحمد اللہ پوری امتِ مسلمہ میں جاری ہے، ایک کثیر المقاصد کام ہے، اور اِسی وجہ سے کثیر الجہت ہے۔ دراصل اُس اسلامی ثقافت کا احیاء حضرت مولاناؒ کا مقصدِ وحید ہے جس نے قرونِ اوّل کے اُن لوگوں کو جو ایک وقت میں انسانیت کے نام پر دھبہ تھے، ایک خاص ماحول میں رکھے جانے اور ایک خاص انداز سے تربیت دیے جانے کی برکت سے ستاروں کو نشانِ راہ دکھانے والا بنادیا۔ اِس ماحول اور اِس اندازِ تربیت کے اجزائے ترکیبی یعنی اصولوں کو پالینے اور پھر اِن کو قرآن و سنت کی روشنی میں طریقِ انبیا علیہم السلام اور نہجِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر تعلیم وتربیت کے ذریعے امت میں دوبارہ

جاری کردینے کی پیہم کوشش میں اُنھوں نے اپنی زندگی کھپادی۔ یوں امت سازی یعنی امت کو صحیح الفاظ اور مفہوم
میں امت بنانے کا کام دعوت وتبلیغ کا مقصد ہے۔ اِس میں کلام نہیں کہ مساجد و مدارس وغیرہ شعائر اللہ ہیں لیکن ذرا
ساغور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ مسلمان ہی بذاتِ خود اللہ کا سب بڑا شعیرہ ہے۔ اِسی لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا تھا کہ کعبہ کی حرمت سے ایک عام مسلمان کی جان قیمتی ہے۔ دین کی طلب سے خالی، اللہ سے غافل اور روٹھے
ہوئے مسلمان کو اللہ کے سامنے جھکا دینا اور اللہ سے دوستی کر لینے پر آمادہ کرنا، مسلمان کا سب سے بڑا اِکرام ہے۔
اِسی طرح ایک کافر جو اپنی کم قسمتی سے یا اسلام کی حقیقی، عملی تصویر سامنے نہ ہونے کے باعث ہمیشہ کے لیے جہنم کا
ایندھن بننے کی راہ پر سرپٹ دوڑ رہا ہے، کے جی میں تلاشِ حق کے شعلے کو روشن کرنا اور پھر اِس شعلے کو ہوا دینا، منت و
زاری سے اور سمجھا بجھا کر اسلام کی نعمت سے بہرہ مند کر دینا— اولادِ آدمؑ میں کے ہر غیر مسلم انسان کا بنیادی انسانی
حق (basic human right) ہے۔ قیامت کے دن انسانوں کے حقوق پورا کرنے کے بارے میں سوال
ہوگا۔ دعوت وتبلیغ کی محنت سے امت کے اندر یہ احساسِ ذمہ داری پیدا کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ ہر مسلمان
بحیثیتِ فردِ امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا سفارت کار ہے اور دنیا بھر کے انسانوں کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلے میں
فعّال کردار ادا کرنے پر مامور اور اِس ضمن میں اپنی ذاتی اعانت اور دین کے اجتماعی کاموں میں اپنا حصہ ڈالنے کی
بابت اللہ کو جوابدہ ہے۔

الحمدللہ تبلیغ کی اِس محنت کی برکت سے دینی جماعتوں میں ایک دوسرے کی ضرورت اور خوبیوں کے اعتراف،
اختلافِ آراء وتعبیرات رکھتے ہوئے ساتھ مل کر چلنے اور برداشت کا کلچر پیدا ہوا۔ تبلیغی کام کسی کے مقابلے میں نہیں ہے
اور نہ کسی کے مقابلے پر۔ یہ نبیوں والا کام ہے۔ ساری دنیا کے مسلمانوں کا ایک مسلک پر جمع ہونا ممکن نہیں، البتہ دین
سب کا مشترک ہے۔ نبوت کے ماتھے کا جھومر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام جو ایک وقت میں ازالۂ منکر کا نقیب
ہوتا تھا اور جو ہماری کم قسمتی سے کہیں اشاعتِ مسلک کا نمائندہ اور کہیں محض اظہارِ منکر بن کر رہ گیا تھا، بحمد اللہ اپنے اصولی،
روایتی قرآنی وحدیثی معنوں میں زندہ ہوا اور دینی جماعتیں اپنی شناخت برقرار رکھتے ہوئے اور اپنا مسلکی خانہ بدلے بغیر
اشاعتِ مسلک اور وقتی ضرورتوں اور ضرورتِ حادثہ کی پیدا کردہ خود بافتہ ترتیبوں پر چلنے کے ساتھ ساتھ دین کی اجتماعی فکر
پر جمع ہونے لگیں۔ اجتماعیت اور نقل وحرکت، وہ بنیاد تھی جس پر اِس امت کا "امت پنا" اُستوار تھا۔ یہ بنیاد آج کمزور پڑ گئی
ہے۔ کلمہ ونماز کو لے کر، علمِ الٰہی اور ذکرِ الٰہی کے ساتھ، اپنا حق معاف کرتے اور اللہ کی مخلوق کا حق ادا کرتے ہوئے، اللہ کو
راضی کرنے کی نیت سے گلی در گلی، محلّہ در محلّہ اور گاؤں در گاؤں جماعتوں کا یہ پھرنا پھرانا بحمد اللہ اِسی بنیاد کو بھر رہا اور مضبوط
کر رہا ہے۔

حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کام میں کسی گروہ، مسلک یا فرقے کے لیے نہیں بلکہ ہر مسلمان

کے لیے بڑی اُس کی مسلمانی کی وجہ سے راستہ کھلا رکھا اور بطریقِ تعدیہ اپنے ساتھیوں میں ہر مسلمان کو دل کی گہرائیوں سے اپنے سے بہتر جاننے کی کمیاب خوبی پیدا کی — ایسے گرے پڑے مسلمان سے بھی جس میں ننانوے وجوہِ کفر جمع ہوں اور صرف ایک وجہ اسلام ہو۔ یوں مختلف خانوں میں بٹے ہوئے اور ذات، برادری اور زبان کے کھونٹوں سے بندھے، رسوم ورواج اور پیشوں کے کولھوؤں میں پلتے اور خود کو علاقوں اور ملکوں کے ڈربوں میں بند سمجھنے والے مسلمانوں کو صرف اور محض مسلمان ہونے کی وجہ سے ایک جگہ پر اکٹھا ہونا نصیب ہوا۔ اِس اکٹھا ہونے اور مجالست سے بہیمیت دور ہوئی اور اسلامیت سرسبز ہوئی، عمومی بیداری پیدا ہوئی اور جگہ جگہ دین پر بہار آنا نظر آنے لگا۔ دنیا بھر کے مسلمان ایک دوسرے کی زبان سمجھنے لگے۔ اسلام کی ثقافت جس کے رنگ پھیکے پڑ گئے تھے اور جو بہ حالات دوسری ثقافتوں میں رَل مل کر اپنی ایکیت اور وضاحت تک کھو بیٹھی تھی، ایک بار پھر پنپنے لگی اور یوں دنیا بھر میں گھروں کے اندر اسلامی معاشرت اور محلّوں میں اسلامی کلچر زندہ ہوا۔

دعوت وتبلیغ میں لگنے والوں کے چارٹر میں پوری دنیا میں پورے دین کو زندہ کرنا (صرف پھیلانا نہیں) پہلے نمبر پر ہے۔ ہماری تاریخ کے تابناک ترین ادوار یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور بعد ازاں دورِ صحابہؓ میں یہ کام ہر مسلمان مقصد کے درجے میں کیا کرتا تھا۔ آج پوری دنیا میں پورے دین کو زندہ کرنے کی آواز لگانے والے اور راہِ خدا میں ذلیل ہونے کی عزت کو حاصل کرنے کے متلاشی یہ واحد لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں اپنی جان، مال، وقت اور صلاحیتوں کے ساتھ نکلتے اور اللہ کی توفیق سے پوری دنیا کے مسلمانوں کو جگا رہے، اُنھیں اُن کی حیثیت یاد دلا رہے ہیں، اُنھیں اُن کا کام ومقصد یاد دِلا رہے اور مقصد پر واپس کھینچ لانے کے لیے اللہ کی زمین کی وسعتوں کے تمام معلوم گوشوں میں دیوانہ وار پھر رہے ہیں۔

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے　　مومن کا مقام ہر کہیں ہے

تبلیغی اجتماعات بھی اِسی سلسلے میں ہوتے ہیں کہ امت اپنے کام کو پہچانے، اپنی حیثیت پہچانے اور اپنے کام پر واپس آجائے۔ سروں کا گننا، سیاست گردی، کرسیوں اور کرسی داروں کی ہوا خواہی وغیرہ کا یہاں گزر نہیں۔ تبلیغی اجتماع کی کامیابی کا معیار یہ ہوتا ہے کہ کتنے لوگ دیر اور دور کے لیے اللہ کے راستے میں نقد نکلے۔ اجتماعِ حج بیت اللہ کے بعد یہ واحد فورم ہے جہاں ہر مشرب، طبقے، زبان، نسل اور علاقے کے مسلمان جمع ہوتے ہیں اور اپنی آتشِ مسلمانی کو ہوا دیتے ہیں۔ اللہ پاک مجھے، آپ کو اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو اِس عالی کام میں لگنے کی توفیق دے اور قبول فرمالے۔ یہ کام قابلیت کا نہیں، قبولیت کا ہے۔ اور یہ مبارک کام سراسر عمل ہے، باتیں نہیں۔ دعا ہے کہ اللہ اِس نقل وحرکت اور اجتماعیت کی حفاظت فرمائے، قربانی اور صفات میں مزید آگے بڑھنے والا بنائے اور تمام عالم میں دین کی سرسبزی اور شادابی کو سر کی آنکھوں سے دیکھنا نصیب فرمائے۔ آمین۔

☆☆

الطامۃ الکبریٰ

مولانا ابوالکلام آزادؒ

﴿اذا وقعت الواقعة ليس لو قعتها كاذبة﴾ ﴿والنازعات غرقاً والنا شطات نشطاً والسابحات سبحاً فا السابقات سبقاً فالمدبرات امراً﴾..... موت اور ہلاکت کے وہ اوقات الیمہ جو خون کی رگوں اور گوشت کے ریشوں کے اندر سے انسان کی جانوں کو کھینچ لیتے ہیں اور آبادیاں اجاڑ اور زندگیاں ہلاک ہو جاتی ہیں، وہ ارواح حروب وقتال جو زندگی کے لئے موت کا اور آبادی کے لئے ویرانی کا دروازہ ایسی عجلت اور ایسی آسانی سے کھول دیتی ہیں، گویا کسی لپٹے ہوئے بند کو کھول دیا گیا، وہ ہلاکت اور موت کی عظیم الشان ہستیاں جن پر انسان پاش توپیں لدی ہوئیں اور آگ اور خون کے خونخوار درندے سوار ہیں اور جو سمندروں میں تیرتی پھرتی ہیں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتی ہیں تاکہ اپنے اپنے شئون و امور کی تدبیر کریں، ان سب کی چھائی ہوئی ہیبت اور پھیلی ہوئی وحشت کی قسم اور ان سب کی پھیلائی ہوئی موت اور برسائی ہلاکت کی گواہی، کہ ارض الٰہی کا امن ڈوب گیا، انسانیت کی بستی اجاڑ ہوگئی، نیکی کا گھر لوٹ لیا گیا اور دنیا مثل اس بیوہ کے ہوگئی جس کا شوہر زبردستی قتل کر دیا گیا ہو اور اس کے یتیم بچوں پر رحم نہ گیا ہو، اب وہ اپنے لٹے ہوئے سنگھار پر ماتم کرے گی اور اپنی پھٹی ہوئی چادر کو سر سے اتار دے گی کیونکہ اس کا حسن زخمی ہو گیا، کیونکہ اس کا شباب پامال کر دیا گیا اور اس لئے کہ اس کے فرزندوں نے اس پر تلوار اٹھائی اور اس لئے کہ اس کے دوستوں نے اسے کچل دیا، پس زندگی کی جگہ موت، عیش و سلامتی کی جگہ اضطراب، نغمۂ نشاط کی جگہ شور ماتم، زمزمہ سنجی کی جگہ نوحہ خوانی، آب زندگی کی جگہ بحر خونیں، بستیوں کی جگہ قبریں اور زندگی کے کاروبار اور بازاروں کی چہل پہل کی جگہ موت کے وہ جنگل جن میں لاشیں سڑیں گی اور ہولناک سمندروں کے وہ خونیں طوفان جن میں انسان کی لاشیں مچھلیوں کی طرح اچھلیں گی اور اے دنیا کے بڑے بڑے مغرور شہروں کے بسنے والو! کل تک تمہاری ماؤں نے تمہیں جنا تھا، تا زندگی پر گھمنڈ اور طاقت مغرور ہو، پر آج تم موت کے کھلونے ہو جنہیں بگاڑ دیا جائے گا اور ہلاکت کی مورتیں ہو جنہیں مٹا دیا جائے گا اور پھر اے وہ کہ

تمدن کی بہشت، علم کے مرغزار اور عیش ونشاط زندگی کے حیرت آباد اور اعجوبہ زار تھے! تم کل تک دوسروں کی موت و ہلاکت کی خبریں سنتے تھے، پر آج تمہاری ہلاکت کی خبریں پڑھی جائیں گی، کل تک تمہارے پاس کرۂ ارض کی مصیبتوں کا قلم تھا، پر آج تمہاری مصیبتوں کی تاریخیں مدون ہوں گی، تم کل تک دوسروں پر ظلم وقہر کرتے تھے، پر آج تمہارے لئے جہنم بھڑک رہی ہے، تم کل تک ضعیفوں اور ناتوانوں کے لئے درندے، پر آج درندوں میں خود چل گئی اور بھیڑیوں نے آپس میں ایک دوسرے پر پنجہ مارا، تم کل تک دنیا کے لئے موت کی بجلی تھے، پر آج کوئی نہیں جو تمہیں ہلاکت کی بارش اور بربادی کے رعد وبرق سے بچا سکے، کل مشرق کی بربادیوں کا تم نے تماشہ دیکھا تھا، آج وہ تمہاری ہلاکت کو دیکھ رہا ہے۔

﴿فالیوم الذین امنو ا من الکفار یضحکون علی الارائك ینظرون هل ثوّب الکفار ماکانوا یفعلون﴾ (۸۳-۳۶)

''پس آج کا دن وہ دن ہے کہ مسلمان ارباب کفر پر ہنستے ہیں اور امن وراحت سے بیٹھے ہوئے تماشہ دیکھ رہے ہیں، ہاں! اب تو وہ وقت آ گیا کہ انہوں نے اپنے اعمال کا بدلہ پایا''۔

ماتم انسانیت:......انسان کی سوئی ہوئی بہیمیت پھر جاگ اٹھی ہے، وہ اشرف المخلوقات کہ صورت سے آدمی مگر خواہشوں میں بھیڑیا، محل سراؤں میں متمدن انسان مگر میدانوں میں جنگلی درندہ اور اپنے ہاتھ پاؤں سے اشرف المخلوقات، مگر اپنی روح بہیمی میں دنیا کا سب سے زیادہ خونخوار جانور ہے، اب اپنی خونریزی کی انتہائی شکل اور اپنی مردم خواری کے سبب سے زیادہ برے وقت میں آ گیا ہے، وہ کل تک اپنے کتابوں کے گھروں اور علم وتہذیب کے دارالعلوموں میں انسان تھا، پر آج چیتے کی کھال اس کے چمڑے کی نرمی سے زیادہ حسین اور بھیڑیے کے نیچے اس کے دندان، تبسم سے زیادہ نیک ہیں، درندوں کے بھٹ اور سانپوں کے جنگلوں میں امن وراحت ملے گی، مگر اب انسانوں کی بستیاں اور اولاد آدم کی آبادیاں راحت کی سانس اور امن کے تنفس سے خالی ہوگئی ہیں، کیونکہ وہ جو خدا کی زمین پر سب سے اچھا اور سب سے بڑھ کر تھا، اگر سب سے برا اور سب سے کمتر ہو جائے تو جس طرح اس سے زیادہ کوئی اور نیک نہ تھا، ویسا ہی اس سے بڑھ کر اور کوئی برا بھی نہیں ہو سکتا۔

﴿لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناه اسفل سافلین، الا الذین امنوا وعملوا الصلحت فلهم اجر غیر ممنون﴾ (۹۵-۶)

''ہم نے انسان کو ایک طرف تو بہترین قوتوں کی ترکیب اور اعلیٰ ترین جذبات کی ساخت میں پیدا کیا، لیکن پھر دوسری طرف بہیمی خواہشوں میں پیدا کیا، لیکن پھر دوسری طرف بہیمی خواہشوں اور شریر قوتوں کے لحاظ سے نہایت ہی ادنیٰ درجہ کی مخلوق تک بھی لوٹا لائے، ہاں وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ وعادلہ اختیار کئے سو ان کے لئے بے انتہا اجر ہے کیونکہ وہ ان متضاد قوتوں کی کشاکش سے بچ نکلیں گے''۔

شیر خونخوار ہے مگر غیروں کے لئے، سانپ زہریلا ہے، مگر دوسروں کے لئے، چیتا درندہ ہے، مگر اپنے سے کمتر

جانوروں کے لئے، لیکن انسان دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق خود اپنے ہی ہم جنسوں کا خون بہاتا اور اپنے ہی ابنائے نوع کے لئے درندۂ خونخوار ہے! وعلیٰ ذلك قول بعض شعراء هذا العصر:

ولقد رأيت الأسد أحسن خلقة — من جنس هذا الظالم المقرد

الناس تقتل كل يوم بعضها — والأسد تقتل غيرها أو تعتدي

انسان ہی ہے جو فرشتوں سے بہتر ہے اگر اپنی قوتوں کو امن وسلامتی کا وسیلہ بنائے اور انسان ہی ہے جو سانپ کے زہر اور بھیڑیئے کے پنجے سے بھی زیادہ خونخوار ہے اگر راہ امن وسلامتی کو چھوڑ کر بہیمیت اور خونخواری پر اتر آئے۔

﴿اناهد يناه السبيل اماشاكرا اواما كفورا﴾(۳-۸۶)

''ہم نے انسان کو راہ عمل وترقی دکھلا دی ہے پھر یا تو ہماری ہدایت پر عمل کرنے والے ہیں یا انکار کرنے والے''۔

﴿الم نجعل له عينين ولساناً وشفتين وهديناه النجدين﴾(۹-۹۰)

''پھر کیا ہم نے انسان کو دیکھنے کے لئے دو آنکھیں اور زبان اور ہونٹ نہیں دیئے؟ بے شک دیئے اور خیر وشر کی دونوں راہیں اسے دکھلا دیں''۔

یہی انسانیت اعلیٰ اور ملکوتیت عظمیٰ ہے جس کی تقویم وتکمیل کے لئے دین الٰہی اور شریعت فطری کا ظہور ہوا اور یہی پیغام امن، رہنمائے صلح وصلاح اور وسیلہ فوز وفلاح ہے، جس کا دوسرا نام ''اسلام'' ہے، یعنی جنگ کی جگہ صلح، خون وہلاکت کی جگہ عمران وحیات اور بربادی وخرابی کی جگہ سلامتی وامنیت ہے، وہ بتلاتا ہے اگر انسان اپنی قوۃ ملکوتی اور فطرت صالحہ سے کام نہ لے تو وہ بڑے ہی گھاٹے ٹوٹے میں ہے۔

﴿والعصر ان الا نسان لفی خسر، الا الذين امنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوابالصبر﴾(۳-۱۰۳)

''زمانہ اور اس کے حوادث گواہی دیتے ہیں کہ انسان بڑے ہی گھاٹے ٹوٹے میں ہے، مگر وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اعمال صالحہ اختیار کئے اور حق اور صبر کی وصیت کی''۔

پھر اس سے بڑھ کر خسران ونقصان کیا ہوگا جس میں آج دنیا مبتلا ہے؟ وہ دنیا جس نے قوتوں کی صیقل کی، جس نے فطرت کے قوانین مستورہ کو بے نقاب کیا، جس نے عقل وادراک کے خزانے کھلوا دیئے، جس نے ارتقائے فکر وخلو مدرکہ سے دنیا کو علم کا گھر اور دریافتوں اور تحقیقوں کی مملکت بنا دیا جو علم ومدنیت کے انتہائے عروج سے متوالی ہوگئی، جو قوتوں کے حصول کے نشے سے بدمست ہو کر مغرورانہ جھومنے لگی، جس نے کہا کہ انسان کے سوا کچھ نہیں اور جس نے اعلان کیا کہ مادہ کے اوپر کوئی نہیں، کیا آج اس کا یہ علم اعلیٰ، یہ مدنیت عظمیٰ، یہ ایجادوں کا ڈھیر، یہ مخترعات کا انبار، یہ بے شمار کتابوں کی جلدیں اور یہ لاتعداد لاتحصیٰ دماغوں کے افکار عالیہ ومدنیہ، ایک لمحہ، ایک دقیقہ کے لئے بھی اس ہولناک بربادی، اس

خوفناک تصادم، اس وحشت انگیز خونخواری، اس خون کا سمندر بہانے والی اور لاشوں کے جنگلوں کو بھر دینے والی جنگ کو روک سکتے ہیں اور نوع انسانی کو عالمگیر نقصان و ہلاکت سے بچا سکتے ہیں؟ کیا قانون کشش ثقل جس پر نئے علم کو ناز ہے، اس سے بچالے گا؟ کیا بھاپ اور اسٹیم کی ایجاد کچھ سفارش کر سکے گی اور انسان کو غمگینی سے بچالے گی؟ آہ! یہ ایجادات محیرہ، یہ مخترعات مدہشہ، یہ محدثات منورہ، جس پر مدنیت کو ناز اور علم انسانی کو غرہ ہے، امن وسلامتی کی جگہ خود ہی ہلاکت و بربادی کا وسیلہ اور خون و آگ کی افزائش و تضاعف کا ذریعہ ہیں، اگر پہلے دنیا کے لئے صرف کمان کا تیر اور تلوار کی دھار تھی، تو آج تمدن کی بدولت ایک ایک سیکنڈ میں کئی کئی مرتبہ چھوٹنے والے ہلاکت بار گولے اور لمحوں اور منٹوں کے اندر شہروں اور قطعوں کو مسمار کر دینے والے آہن پوش جہاز ہیں، پھر اے علم و مدینہ کا شیطان!! کیا تو اس لئے آیا تھا کہ خدا کی آبادی کی ویرانی کو دوگنا اور اس کی ہلاکت کے آلات کو زیادہ مہلک اور لاعلاج بنادے؟ اور اے انسان کی غفلت اور اے اولاد آدم کی نادانی! تو کب تک خدا سے لڑے گی اور کب تک اس کی زمین کے امن و راحت کو روکے گی، حالانکہ تمدن اور علم تجھے قوی بنا سکتا ہے، پر نیک نہیں بنا سکتا۔

﴿یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذ وا من اقطار السموت والارض فانفذوا، لاتنفذون الابسلطن﴾ (۵۵-۲۷)

''اے مجمع جن وانس! اگر تمہاری طاقت میں ہے کہ زمین و آسمان کے مدبرات وملکوت کے اندر سے اپنی راہ پیدا کر کے آگے کو نکل جاؤ، تو ترقی کی اس انتہا کے لئے بھی کوشش کر دیکھو، مگر بغیر سلطان الٰہی کے کچھ نہ کر سکو گے اور یاد رکھو کہ وہ وقت تمہارے بس میں نہیں ہے''۔

رستخیز تصادم:......اور دیکھو یہ کیسی آگ ہے جو بھڑک اٹھی ہے اور کس طرح تمدن کی حسین و جمیل آبادیاں آگ دھوئیں کی ہولناکی کے اندر ویران ہو رہی ہیں۔

﴿یرسل علیکما شواظ من نار و نحاس فلا تنتصران﴾ (۵۵ ع ۲)

''تم پر آگ کا دھواں اور اس کی لپٹ چھا جائے گی اور تمہارے پاس انسانی قوت ایسی نہیں کہ اس کے ذریعے اس ہلاکت کو دفع کر سکو''

یہ دنیا کی مغرور و فتح مند طاقتوں کی ٹکر ہے اور اتنی بڑی انسانی درندوں کی لڑائی جتنے بڑے خونخوار اسباع و بہائم آج تک کرۂ ارضی پر پیدا نہیں ہوئے، دنیا نے ٹیٹس کے قصے سنے ہیں جس نے یروشلیم کو تباہ کر دیا، دنیا نے بخت نصر کو دیکھا ہے جو بنی اسرائیل کو گرفتار کر کے بابل لے گیا، دنیا میں ایرانیوں کے قہر و استیلا کے افسانے سنے گئے ہیں، جنہوں نے بابل کو مسمار کر دیا تھا اور رومیوں کے عہد تسلط و عروج کے ایسے بہت سے فاتح خونریزوں کی روایتیں محفوظ رکھی گئی ہیں، جنہوں نے خدا کی پیدا کی ہوئی مخلوقوں کو بہت ستایا اور اسی کی زمین پر بہت فساد کیا۔

﴿وكذلك جعلنا فى كل قرية اكٰبر مجرميها ليمكروا فيها﴾ (٦-ع ١٤)

''اور اسی طرح ہم نے ہر آبادی میں اس کے بڑے بڑے سرکش گنہگار پیدا کئے تا کہ وہ فتنہ وفساد پھیلائیں''۔

لیکن خون بہانے کی ایسی شیطانی قوتیں، آگ برسانے کے ایسے جہنمی آلے اور موت و ہلاکت پھیلانے کی اشد شدید ابلیسیت تو کسی کو بھی نصیب نہ ہوئی۔ زمین کی پشت پر ہمیشہ درندوں نے بھٹ بنائے اور اژدہوں نے پھنکاریں ماریں، مگر نہ تو ایسی درندگی آج تک کسی میں تھی جیسی موجودہ متمدن اقوام کی قوتوں کو حاصل ہے اور نہ اب تک ایسا سانپ اور اژدہا پیدا ہوا، جیسے کہ ان لڑنے والوں میں سے ہر فریق کے پاس ڈسنے، نگلنے اور چیرنے پھاڑنے کے لئے عجیب عجیب ہتھیار جمع ہیں، پھر اس اژدہے کو دیکھو جو جنوب سے منہ کھولے بڑھ رہا ہے، اس ہاتھی کو دیکھو جس کی مستک غرور طاقت سے جھوم رہی ہے۔﴿سنسمه علی الخرطوم﴾ اور جس کے دانت ہلاکت کے دو نیزوں کی طرح نکلے ہوئے ہیں، اس بھیڑیئے کو دیکھو جو مشرق یورپ کے بھٹ سے چیختا ہوا اٹھا ہے اور اس خوفناک چیتے کو دیکھو جو مارک اور روس کی سرزمین میں خون اور گوشت کے لئے پلا ہے! یہ کیسے مہیب ہیں؟ یہ کیسے خوفناک آلات سے مسلح ہیں؟ ان سب کا باہم ایک دوسرے پر گرنا اور چیر پھاڑ کا کرۂ ارض کا کیسا ہولناک بھونچال ہوگا؟ ایسا بھونچال جو کبھی نہیں آیا، ایسا طوفان جو کبھی نہیں اٹھا، ایسی آتش فشانی جو کبھی بھی نہیں ہوئی اور خداوند کا ایسا غصہ جواب تک کبھی بھی زمین پر نہ ہوا۔

﴿يوم ترجف الراجفة، تتبعها الرادفة قلوب يومئذ واجفة ابصارها خاشعة يقولون أ انا لمردودون فى الحافرة أ اذا كنا عظاماً نخرة﴾ (٧٩-١٠)

''وہ ہولناک دن کہ جب زمین کانپ اٹھے گی، جب ایک بھونچال کے بعد دوسرا بھونچال آئے گا، جب انسان کے دل دھڑک اٹھیں گے اور جب اٹھی ہوئی نظریں جھک جائیں گی اور وہ کہیں گے کہ کیا ہم (دنیا میں اس قدر ترقی کر گئے اور آگے بڑھ گئے) پھر (وحشت وخرابی کی طرف) لوٹائے جائیں گے؟ اور وہ بھی ایسی حالت میں جب گل سڑ کر کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گی؟ یقین کرو کہ ایسا ہی ہونے والا ہے''۔

الآیۃ الکبریٰ: ......اور دیکھو کہ قدرت الٰہی کی یہ کیسی ہولناک نشانی ہے جو ایام الٰہیہ کی گزشتہ نشانیوں کو یاد دلاتی ہوئی غفلت کی دنیا اور غرور انسانی کی بستی پر بجلی کی طرح چمکی ہے، اور رب الافواج کہتا ہے کہ میں اپنے ہاتھ کے جلال صولت اور جبروت انتقام کو نمایاں کروں گا، یہ اس کے آواز کی ایسی گرج اور اس کے دست جلال کا ایسا معذب وار ہے جو ہزاروں برسوں کے عصیان وتمرد کے بعد ظاہر ہوتا ہے اور اس بجلی کے مانند جو سر سبز کھیتوں پر گرتی اور اس طوفان کی طرح جو یکا یک زمین پر چڑھتا، اپنا کام پورا کر دیتا ہے، یہ اس کا قانون ہے جو ہمیشہ سے ہے اور کبھی اس میں تغیر نہیں ہوسکتا، اس قانون انتقام وتبدل نے آبادیاں بدلیں، بستیاں اجاڑیں، عمارتیں منہدم کیں، قوموں کو ہلاک، مملکتوں کو ویران اور بسے بسائے شہروں کو نابود اور نئی آبادیوں سے اپنی زمین کو معمور کر دیا۔

﴿وكاين من قرية عتت عن امر ربها ورسله فحاسبناها حسابا شديدا وعذبناها عذابا نكرا﴾

(۶۵-۱۰)

''اور کتنی آبادیاں تھیں جنہوں نے اپنے پروردگار اور اس کے رسول کی صداقتوں سے سرتابی کی اور عصیاں وطغیان پر اتر آئے، تب ہم نے بڑی ہی سختی کے ساتھ ان کے کاموں کا حساب لیا اور بڑے ہی سخت عذاب میں گرفتار کیا''۔

اور وہی قانون ہے جس کے اندر سے خدا کا دست قہار پھر چمکا ہے اور وہ اپنی زمین کے موجودہ مالکوں سے ان کے کاموں کا حساب لینا چاہتا ہے، جیسا کہ پچھلوں سے لیا گیا۔

﴿الم نهلك الاولين ثم نتبعهم الآخرين، كذالك نفعل بالمجرمين، ويل يومئذ للمكذبين﴾ (۷۷-۸)

''کیا ہم نے طغیان وعصیان کی پاداش میں اگلی قوموں کو ہلاک نہیں کیا، پس اسی طرح ہم پچھلی قوموں کو بھی ان کی مانند عذاب میں مبتلا کریں گے، یہ ہمارا قانون ہے کہ اپنے مجرموں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں، پس اس دن اللہ کی سچائی کے جھٹلانے والوں پر افسوس''!!

متمدن قوموں کا غرور انتہائی حد تک پہنچ چکا ہے، طاقتوں اور عجیب عجیب ترقیوں نے انہیں متوالا کر دیا ہے، ان کو حسب سنن الٰہیہ زمین کی حفاظت کا منصب دیا گیا لیکن انہوں نے قوت پا کر جنگ وفساد کی راہ اختیار کی اور طغیان و عصیان سے ارض الٰہی کو بھر دیا۔

حتى أنت الأرض من جور الظالمين، واستغاثت السماء من طغيان الكافرين، وسمع رب الغرة أنين المظلومين و بكاء الباكين ﴿واوحى اليهم ربهم لنهلكن الظالمين﴾

پس ضرور تھا کہ غرور وطغیان کے لئے کوئی حد ہوتی، عجب نہیں کہ مہلت ختم ہوگئی ہو اور کچھ اچنبھا نہیں، اگر ارض الٰہی کے امن کے لئے، بندگان خدا کی راحت کے لئے اور کمزوروں کو سکھ کی نیند سلانے کے لئے ان کا خون انہی کے ہاتھوں بہایا جائے جنہوں نے دوسروں کا خون اپنے ہاتھوں بہایا اور اس طرح عدالت الٰہی ان قوتوں کا حساب لے جو صدیوں سے تمام دنیا کے اعمال کا حساب لے رہے ہیں۔

﴿نريد ان نمن على الذين استضعفوا فى الارض ونجعلهم ائمة و نجعلهم الوارثين﴾ (۶۸-۲۶)

''ہم نے ارادہ کیا کہ جو لوگ کمزور وضعیف کئے گئے ان پر احسان کریں، انہی کو سرداری اور برتری بخشیں اور انہی ناتوانوں کو طاقتور انسان کا وارث بنائیں''۔

یہ دنیا کا غرور طاقت ہے جو اب رنگ لایا ہے، یہ قوت اور سیادت ارضی کی وہ غذا ہے جو اس نے بڑی ہی حرص وطمع سے کھائی پر ہضم نہ ہوسکی اور اب اسی کا فساد اس کی تندرستی کے لئے مہلک ثابت ہوا ہے۔

﴿فذاقت وبال امرها و كان عاقبة امرها خسرا﴾ (۶۵-۲۶)

''بالآخران کے اعمال کا وبال ان کے آگے آیا اور وہ گو طاقت اور عظمت میں بہت بڑھ چکے تھے، لیکن انجام کار گھاٹا ہی گھاٹا ہوا''۔

﴿ذلك بما قدمت ایدیهم﴾:...... یورپ کا تمدن اس کی طاقت، اس کا جنگی اقتدار، اس کے عجیب عجیب اسلحہ اور برباد کن ہولنا کیاں، اس کے مہیب جہاز اور کئی کروڑ تک پہنچ جانے والی متحدہ فوج، ایسی قاہر و جابر تھی کہ ان کی تنبیہ کے لئے خود انہی کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا، انہوں نے اپنے سوا ہر قوت کو پامال کیا اور اپنے سوا اور کچھ رہنے نہ دیا، پس کون تھا جو ان کے مقابلے میں نکلتا اور دنیا میں کس کا ہاتھ اتنا قوی تھا جو ان کے آہنی پنجوں پر پڑتا؟ وہ کہ سب سے بڑے ہو گئے تھے ان کے لئے وہ لوگ کیا کام دے سکتے تھے، جو آج سب سے چھوٹے ہو گئے ہیں؟ ان کے جہازوں کے مقابلہ کے لئے ان کے جہازوں سے بڑھ کر جہاز چاہئے تھے، مگر وہ کہاں بنتے؟ ان کی توپوں کے لئے ان کی توپوں سے زیادہ ہلاکت بار توپیں درکار تھیں، مگر وہ کہاں ڈھلتیں؟

پس جب زمین پر ان سے بڑھ کر اور کوئی نہ تھا جس کے اندر سے خدا کا ہاتھ ظاہر ہوتا تو دیکھو کہ حکمت الٰہی نے کس طرح خود انہی کو ان پر مسلط کر دیا اور اس کی یہ تدبیر کی کہ باہمی جنگ و قتال میں مبتلا ہو گئے، اب ان کا ہولناک تمدن جس کو ایک ہزار سال کے اندر انہوں نے تیار کیا تھا، انہی کی تخریب میں کام آیا اور ان کی ہر ترقی اور ہر بڑائی خود انہی کے لئے وسیلہ تعذیب ہو گئی، اگر ان کی توپوں سے بڑھ کر دوسروں کے پاس توپیں نہ تھیں، تو انہی کی توپوں کے گولے ان کے لئے اڑنے لگے، اگر ان سے بڑھ کر جنگی جہاز دوسروں کے پاس نہ تھے، تو وہی جہاز ان کے مقابلے کے لئے سمندر میں تیرنے لگے، ہر پتھر جو انہوں نے اٹھایا، خود انہی کے لئے اڑا، اور ہر وہ آلہ جو انہوں نے تیار کیا، وہ انہیں کے لئے متحرک ہوا، انہوں نے بڑا سامان کیا تھا، مگر خدا کا سامان سب سے بڑا ہے۔

﴿انهم یکیدون کیدا واکید کیدا فمهل الکافرین امهلهم رویدا﴾ (پ۳۰-۱۲)

''یہ لوگ اپنا داؤ کر رہے تھے اور ہم اپنا داؤ کھیل رہے ہیں، پس منکروں کو مہلت لینے دو، زیادہ نہیں، تھوڑی سی''۔

یہ کون ہیں؟...... یہ کون ہیں جو آپس میں خون اور ہلاکت کرنے کے لئے دوڑے ہیں؟ یہ وہ ہیں جنہیں ''امن کے شہزادہ'' نے ان کے اولین ظہور کے وقت وعظ سنایا تھا جبکہ وہ گلیل اور یہودیہ اور یرون پہاڑ کی بھیڑ کو دیکھ کر کوہ زیتون پر چڑھ گیا اور اس نے اپنے شاگردوں کے لئے تعلیم دی۔

''مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں، کیونکہ وہ آسودہ ہوں گے، مبارک ہیں وہ جو دل کے حلیم ہیں، کیونکہ وہ زمین کو ورثہ میں پائیں گے، مبارک ہیں وہ جو رحم دل ہیں، کیونکہ ان پر رحم کیا جائے گا، مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں، کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائیں گے''۔ (متی ۵-۲۱)

پس یہ غریب ہیں، حلیم ہیں، رحم دل ہیں، زمین پر صلح اور امن کرانے کے لئے خداوند کے بیٹے ہیں، کیونکہ انہیں کہا گیا تھا:

"تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ خون نہ کرنا، پر میں تم سے کہتا ہوں کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہوگا وہ سزا کے لائق ہوگا"۔ (متی ۵-۲۱)

"تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت، پر میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا"۔ (۵-۲۳)

"تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا کہ اپنے پڑوسی کو پیار کرو اور اپنے دشمن سے عداوت رکھو پر میں تم سے کہتا ہوں کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا مانگو، تاکہ اپنے آسمانی باپ کے بیٹے ٹھہرو"۔ (۵-۴۴)

پس یہ ہے مقدس تعلیم کا آخری ظہور جو دنیا کے سامنے ہے اور یہ ہے وہ پاک امانت جو شہزادہ امن نے اپنی نسل کو دی، تاکہ وہ آسمانی باپ کے بیٹے کہلائیں، ان کو غربت کا، حلم کا، تحمل کا، صلح وامنیت کا پیغام دیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ یہودیوں کو خون کرنے سے روکا گیا، مگر ایک مسیحی اپنے بھائی پر غصہ بھی نہیں کرے گا اور وہ شریر کے مقابلے سے بچے گا اور دشمن تک کو پیار کرے گا، مگر آج "مسیح" دنیا میں نہیں ہے جو دیکھے کہ خداوند کے بیٹے کہلانے والے کس طرح خداوند کی زمین کی سب سے بڑی خونریزی کے لئے اٹھے ہیں اور خون بہانے کے ایسے ایسے ہتھیار ان کے کاندھوں پر ہیں جو زمین نے آج تک نہ دیکھے تھے۔

آہ، آج ان کا وہ حال ہوگیا ہے جس کی "زبور" میں خبر دی گئی، جس کے لئے "یشعیاہ" نبی نے نبوت کی، جس پر "یرمیاہ" نبی نے نوحہ پڑھا، جس پر "خلقی ایل" نے ماتم کیا اور جس کے لئے "ملاکی" نبی نے آخری آنسو بہائے، یہ سب کچھ یہودیوں کے لئے اس سے زیادہ نہ تھا، جتنا آج خود ان کے لئے ہوسکتا ہے، جو یہودیوں کو اس حالت سے چھڑانے آئے تھے۔

"کوئی راستباز نہیں، ایک بھی نہیں، کوئی خدا کا طالب نہیں، ایک بھی نہیں، سب گمراہ ہیں، سب بیکار ہوگئے، کوئی بھلائی کرنے والا نہیں، ایک بھی نہیں، ان کا گلا کھلی ہوئی قبر ہے، ان کے ہونٹوں میں سانپوں کا زہر ہے، ان کا منہ لعنت اور کڑواہٹ سے بھرا ہوا ہے، ان کے قدم خون بہانے کے لئے تیز ہیں، ان کی راہوں میں تباہی اور بدحالی ہے، وہ سلامتی اور امن کی راہوں سے واقف نہ ہوئے، ان کی آنکھوں میں خدا کا خوف نہیں"۔ (زبور ۱۴-۱-یشعیاہ ۵۹-۶۰)

خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ کے حدود علم کی وسعتیں

علامہ ارشد الحسن الحسینی

خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ اپنے دودمان بلند مرتبت کے سلسلۃ الزہب کی ایسی درخشندہ کڑی ہیں، جن کی ضیا پاشیاں افق عالم کو ہمیشہ منور رکھیں گی اور جن کی خوشبوئیں جہاں کو صدا معطر رکھیں گی، خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ کی ولادت باسعادت ایک علمی خاندان میں ہوئی اور یہ خانوادہ میدان علم میں شہرہ آفاق تھا، والد ماجد حضرت مولانا غلام ربانیؒ ایک محقق عالم تھے تو والد ماجدؒ کے پھوپھی زاد حضرت مولانا محمد احمدؒ دار العلوم دیوبند کے ممتاز مدرس اور حکیم الامت حضرت مولانا اشرف تھانویؒ اور دیگر اکابرین کے استاد تھے، بڑے بھائی حضرت مولانا شمس اسلامؒ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید تھے، حضرت خطیب اسلام کے خاندان میں عورتیں بھی عالمہ، فاضلہ اور متقیہ تھیں، آپ کی دادی صاحبہ علوم نقلیہ شرعیہ کی فاضلہ تھیں، مشکوۃ شریف اور دیگر کتب احادیث کے علاوہ ہدایہ شریف جیسی کتاب بھی ان کے زیر ادراک رہیں، خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ کی ولادت اسی جلیل القدر خاندان میں ہوئی اور اسی ماحول میں انہوں نے شعور کی دہلیز پر قدم رکھا، ان ہی پاکیزہ فضاؤں میں آپؒ نے پرورش پائی، آپؒ بیک وقت عالم بھی تھے اور معلم بھی، محقق بھی تھے اور مصنف بھی، مفسر بھی تھے اور محدث بھی، فقیہ نکتہ رس بھی تھے اور مجاہد بھی تھے اور مدافع بھی، واعظ شیریں بیان بھی تھے اور خطیب شعلہ بیان بھی، عابد شب زندہ دار بھی تھے اور سالک عبادت گزار بھی تھے، مصنف بھی، جس طرح وہ کشور قلم ولسان کے شہسوار تھے، اسی طرح سیاست کے سرخیل اور مدبر بھی، مختلف علوم ان کے سامنے قطار بنا کر کھڑے ہوتے، جب کسی موضوع پر گفتگو کرنا مقصود ہوتا تو دلائل کے انبار لگا دیتے، آناً فاناً معلومات کا مینہ برسنا شروع ہو جاتا اور پوری روانی کے ساتھ پر معانی الفاظ سحر بیانی کے روپ میں بکھرتے چلے جاتے اور سحر طاری کر دیتے اور اس کا اعتراف سب نے کیا، سب نے مانا کہ حضرت خطیب اسلامؒ جس موضوع پر گوہر فشانی کرتے ہیں، تو پھر اس موضوع کا حق بھی ادا فرما دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے خطیب اسلام حضرت مولانا محمد اجمل خانؒ کو علم

کے حقیقی نور سے منور فرمایا تھا اور اسی نور علم کو قرآن نے شرح صدر سے تعبیر فرمایا ہے: ﴿افمن یشرح صدرہ للاسلام﴾ اور اسی نور کو بصیرت سے تعبیر کیا گیا ہے، یہ نور کیا ہے؟ یہ بصیرت کیا ہے؟ بندہ مومن جب علم پر عمل کرتا ہے تو قدرت پھر یہ نور بندے کے سینے میں پیدا کر دیتی ہے اور پھر اس بندۂ مومن سے اس نور کی وجہ سے ایسے ایسے عملی موتی منصۂ شہود پر آتے ہیں کہ زمانہ ورطہ حیرت میں پڑ جاتا ہے اور سوال کرنے والے انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں، سائل کا وجود ساکت اور زبان صامت ہو جاتی ہے، ایسے ہی چند واقعات حضرت خطیب اسلام نور اللہ مرقدہ کے ذکر کئے جاتے ہیں، جنہوں نے سائلین کو ورطہ حیرت میں ڈالا۔

حضرت خطیب اسلامؒ ایک بار عمرہ پر تشریف لے گئے، حضرت سے مسجد حرم اور مسجد نبوی میں دوران مجلس متعدد لوگوں نے سوال کر دیا کہ حضرت شریعت نے تمام کاموں کو دائیں طرف سے شروع کرنے کا حکم دیا ہے، وضو دائیں طرف سے، مسجد میں داخلہ دائیں پاؤں کے ذریعے، کھانا دائیں ہاتھ سے، کپڑے پہننا دائیں طرف سے، سونا دائیں پہلو پر، لیکن طواف اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری بائیں طرف سے کیوں ہے؟ حالانکہ یہ بھی خیر الامور میں سے ہیں اور ممتاز درجہ رکھتے ہیں، ساری مجلس کی نگاہیں حضرتؒ پر لگ گئیں کہ کیا جواب ملے گا؟ حضرت مسکرائے، اپنا سر مبارک تھوڑی دیر کے لئے جھکایا اور پھر فرمایا: حج اور عمرہ کا تعلق عشق سے ہے اور یہ عشاق کی عبادت کہلاتی ہیں، طواف کے چکر، حجر اسود کا چومنا، مقام ابراہیمؑ پر نفل، صفا مروہ پر دوڑنا، ان سلا لباس پہننا، منیٰ میں رمی کرنا، یہ سب عشق ہے، قربانی کرنا، روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دینا، شیخین کریمین سیدنا صدیق اکبرؓ اور سیدنا عمر فاروقؓ کی خدمت میں سلام عرض کرنا، ان سب کا تعلق محبت کے باب سے ہے۔ اگر محبت نہ ہو تو کون وہاں جائے، یہ محبت اور عشق ہی تو ہے کہ خدا کے بندے اور بندیاں لاکھوں روپے خرچ کر کے وہاں جاتے ہیں اور انسان کے جسم میں دل مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور وہ مشہور حدیث ہے کہ رب فرماتے ہیں کہ میں کائنات میں کسی جگہ نہیں سماتا، لیکن مومن کے دل میں سماتا ہوں اور اب دل جو مرکز محبت ہے، بائیں جانب ہے، اس لئے طواف اور روضہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری کی ابتداء بائیں طرف سے ہوتی ہے، ساری مجلس اس جواب پر جھوم اٹھی۔

ایک بار حضرت خطیب اسلام سے پوچھا گیا، پروردگار نے اپنا گھر بیت اللہ شریف اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اطہر ایسے شہروں میں کیوں بنائے، جہاں گرمی انتہائی شدید ہے، حالانکہ پروردگار چاہتے تو اپنے گھر اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مبارک کے چاروں اطراف ہریالی ہوتی، سبزہ ہوتا، پھولوں کی مہکیں ہوتیں، بادنسیم کی خنکی ہوتی، کلیوں کی لہکیں ہوتیں، ندیوں کا شور ہوتا، آبشاروں کا زور ہوتا، لیکن پروردگار نے ایسا نہیں کیا، بلکہ جس کے لئے کائنات بنائی اور جس گھر کو کائنات کا مرکز بنایا، اس کے لئے ایک ریگستان کا انتخاب کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ پروردگار دیکھنا چاہتے تھے کہ کس کی محبت میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے اور میرے گھر بیت اللہ شریف سے زیادہ ہے،

اگر سبزہ ہوتا، ہریالی ہوتی، کلیاں بوٹے اور ٹھنڈا موسم ہوتا تو نیت خالص نہ رہتی، چلو حاضری بھی دے دیں گے، سیر بھی کرلیں گے، لیکن اب جو بھی جاتا ہے، محض محبت میں جاتا ہے، عشق خدا اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوب کر جاتا ہے اور اگر مدینہ میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ نہ ہوتا، مکہ مکرمہ میں اللہ کا گھر نہ ہوتا تو کون جاتا، چنانچہ سب جانے والے محبت میں جاتے ہیں، پھر رب بھی ان آنے والے کو خالی نہیں بھیجتا، نوازتا ہے اور خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی حاضری دینے والوں کی قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گے۔

مزید فرمایا: ارے کوئی تمہارے پاس مہمان دور سے آئے تو تم اس کی کتنی قدر کرتے ہو، وہ تو رب ہے، وہ کیوں خالی لوٹائیں گے اور ادھر تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو رحمۃ للعالمین ہیں، جن کی زبان سے کلمہ طیبہ کے علاوہ، کسی سائل کے لئے ''لا'' کا لفظ نہیں نکلا، وہ کیوں خالی ہاتھ بھیجیں گے، جو دعا مانگو گے وہاں قبول ہوگی اور سمجھے بیٹی سسرال سے میکے جائے تو واپسی پر ماں اس کو کیا کچھ نہیں دیتی، اگر ایک ماں بیٹی کے لئے اس قدر محبت کا اظہار کرسکتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو روحانی باپ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک روضہ پر سلام کے لئے جو بھی حاضر ہوگا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رب اس کو وہ کچھ دے گا، جو تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

کراچی کے ایک جلسے میں خلافت راشدہؓ کی شان بیان کی اور ترتیب خلافت پر فرمایا: ''ترتیب بالکل ٹھیک ہے، اگر پہلے سیدنا حضرت علیؓ کو خلیفہ مان لیا جائے تو پھر خلافت راشدہ نہیں کہلائے گی، بلکہ خلیفہ راشد کہا جائے گا اور وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہوتے، جبکہ حدیث میں خلافت راشدہ کی پیش گوئی ہے اور وہ اس طرح ہے کہ حضرت علیؓ خلفاء میں سے چھوٹے ہیں، قبول اسلام کے وقت سات سال عمر تھی، اگر آپؓ پہلے خلیفہ ہوتے تو پھر بقیہ تینوں خلفاء حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں وصال ہوجاتا تو خلافت راشدہؓ کیسی؟ چنانچہ پروردگار نے کہا: ترتیب میں مقرر کرتا ہوں، پہلے حضرت ابوبکرؓ ہوں گے، پھر ان کے وصال کے بعد فاروق اعظمؓ ہوں گے، پھر ان کی شہادت کے بعد حضرت عثمانؓ ہوں گے، پھر ان کی شہادت کے بعد علی المرتضیٰؓ ہوں گے اور اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب کی خلافت پر جمع ہوجانا منشاء خداوندی تھا، اس پر ایک نقطہ بیان فرماتے ہوئے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مبارکہ خیر القرون قرنی سے لفظی استدلال کیا جاسکتا ہے، قرنی چار حروف ہیں، ق، ر، ن، ی، ق سے مراد حضرت صدیق اکبرؓ...... ر سے مراد حضرت عمر فاروقؓ...... ن سے مراد حضرت عثمان غنیؓ...... اور ی سے مراد حضرت علی المرتضیٰؓ کے نام میں (ی) کا لفظ آتا ہے اور یاء حروف تہجی کے آخر میں آتی ہے اور ابوبکرؓ کے شروع میں الف آتا ہے اور الف حروف تہجی کے آغاز میں آتا ہے، یہ دلیل ہے کہ خلافت کی ابتداء ابوبکرؓ سے ہے اور انتہاء علی المرتضیٰؓ پر ہے''۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ قبر میں فرشتے کیسے اترتے ہیں، قبر پر مٹی اور پتھر رکھے ہوتے ہیں، کیسے اتر جاتے ہیں تو حضرت خطیب اسلام نے فرمایا: عینک کا شیشہ کثیف ہوتا ہے، موٹا اور سخت ہوتا ہے اور نظر لطیف ہوتی ہے کیا، نظر اس

سخت شیشے سے گزر جاتی ہے یا نہیں؟ کہنے لگا: گزر جاتی ہے، فرمایا: اسی طرح قبر کی سطح کثیف ہوتی ہے اور فرشتہ نور اور لطیف ہوتا ہے، وہ بھی قبر میں داخل ہو جاتے ہیں اور انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی۔

ایک بار خطیب اسلامؒ ایبٹ روڈ گراؤنڈ میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب کر رہے تھے کہ دوران خطاب ایک رقعہ ملا کہ کیا پتلون میں نماز ہو جاتی ہے، کالج یونیورسٹی کے نوجوان اکثریت کے ساتھ خطیب اسلام کے پیچھے جمعہ پڑھا کرتے تھے، حضرت مسکرائے اور فرمایا: ان کو زیادہ ثواب ہوتا ہے، کسے کسائے ہوتے ہیں، ان سے پوچھو کہ رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے کتنی تکلیف ہوتی ہے، نماز جمعہ کے بعد سارے نوجوان آکر ملے اور کہا: حضرت آپ نے جواب دے کر تو ہمیں مطمئن بھی کر دیا اور اصلاح بھی کر دی، اس کو کہتے ہیں، بصیرت۔

ایک بار کسی نے پوچھا: تراویح کی رکعات کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں، جواب میں آپؒ نے کہا کہ ہم بیس ہی پڑھتے ہیں اور اس لئے پڑھتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ اور صحابہ کرامؓ کا عمل مسلسل ہے، ایک مثال سے بات سمجھیں، دیکھو بھائی، حکومت اگر ریڈیو پر اعلان کرائے کہ لوگ سرکاری خزانے میں 20 روپے جمع کروائیں اور یہی بات اخبار میں اس طرح آئے کہ آٹھ روپے جمع کروائیں اور ٹی وی پر آئے کہ بارہ روپے جمع کروائیں، تو یقیناً سمجھدار انسان 20 روپے لے کر جائے گا کہ اگر 20 روپے مانگ لئے تو کسی سے مانگنا نہیں پڑے گا، اگر آٹھ یا بارہ روپے کا مطالبہ کیا تو بقایا بچ جائیں گے، یہی مثال تراویح کی ہے، اگر رب العالمین نے بیس کا مطالبہ کر دیا تو آٹھ یا بارہ پڑھی جائیں گی تو وہ باقی رکعت کہاں سے لائیں گے اور اگر بارہ یا آٹھ رکعت کا کہا تو باقی رکعت نیکیوں کا ذخیرہ بن جائے گا اور رمضان میں تو نوافل کا ثواب فرائض کا دیا جاتا ہے، پس بیس رکعت تراویح پڑھنے میں فائدہ ہی فائدہ ہے، بیس تراویح کے حوالے سے ایک اور علمی نقطہ بیان فرمایا کہ پانچوں نمازوں کی رکعت کل سترہ ہیں اور تین وتر ملا دیئے جائیں تو کل بیس رکعت بن جاتی ہیں، تراویح بھی بیس پڑھی جاتی ہیں، پھر رمضان تو نیکیوں کا سیزن ہے، اسی میں جتنی عبادت کی جائے، اتنی ہی کم ہے۔

حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تخلیق فرمایا، ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر کے تخلیق کو برکت بخشی، تخلیق کے اعتبار سے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اور بعثت کے اعتبار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس بات کو سمجھانے کے لئے آپ نے عجیب انداز اختیار کیا اور کہا کہ جیومیٹری دوران تعلیم سب استعمال کرتے ہیں تو اسی سے ایک بات سمجھاتا ہوں، گول دائرہ بنانے کے لئے پرکار استعمال کی جاتی ہے، کاغذ پر ایک مقام پر پرکار رکھ کر گول دائرہ کھینچا جاتا، جہاں پرکار رکھی جاتی ہے، وہ مرکزی نقطہ کہلاتا ہے، اس نقطے کے بغیر گول دائرہ نہیں بن سکتا ہے، میرے اللہ نے بھی نبوت کا دائرہ کھینچا اور مرکزی نقطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بنایا، حدیث کے الفاظ کو سامنے رکھئے، جس طرح دائرہ مکمل ہونے پر پرکار کو ہٹانے سے مرکزی نقطہ نظر آتا ہے اسی طرح اللہ کریم نے بھی تمام انبیاء کو پہلے بھیجا اور آپ کی ذات کو سب سے آخر میں مبعوث

فرمایا، جس طرح نقطہ سب سے آخر میں نظر آتا ہے حالانکہ ابتداء اس سے ہے، اسی طرح ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، لیکن بعثت سب سے آخر میں ہیں۔ ایک اور مثال میں فرمایا: جس طرح ایک جلسہ یا پروگرام یا سیمینار میں ایک مقرر اہم ہوتا ہے، وہ مرکزی خطیب ہوتے ہیں، ان سے پہلے دیگر مقررین اور خطباء بیان کرتے ہیں، سب سے آخر میں مرکزی مقرر بیان کرتا ہے، اسی طرح اللہ نے ساری کائنات بنائی اور لوگوں کے سامنے خطابت کے لئے انبیاء بھیجے اور سب سے آخر میں مرکزی خطیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔

پروردگار نے قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سراجاً منیراً کہا ہے، سورج سے تشبیہ دی ہے، اس تشبیہ میں ایک باریک نقطہ ہے اور وہ ہے ختم نبوت کا، وہ کیسے؟ جب تک سورج طلوع نہ ہو، اس وقت تک رات رہے گی، ستارے ضرور چمکیں گے، چاند کی چاندنی بھی ہوگی، لیکن رات پھر بھی رات رہے گی، اتنے میں صبح کا وقت ہوگیا، اب سورج طلوع ہونے والا ہے، اب سورج کے طلوع ہونے کے بعد کسی روشنی کی ضرورت نہیں، اب ستارے بھی چھپ جائیں گے، چاند کی چاندنی سورج کے سامنے ماند پڑ جائے گی، اب کوئی شخص دن کی روشنی میں ٹیوب لائٹس، بلب کو جلا کے رکھے تو ساری دنیا کہے گی کہ کتنا بڑا بیوقوف ہے، سورج کی روشنی میں کسی روشنی کی ضرورت نہیں ہے، بعینہ یہی کیفیت ادھر بھی ہے۔ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے تھے، آسمان نبوت پر رات رہی، انبیاء علیہم السلام ضرور آئے، ستارے بن کر چمکے، ہدایت کا پیغام دیا، حضرت عیسیٰؑ آئے صبح صادق بن کر اور سورج کے آنے کی اطلاع دی، میرے بعد ایک نبی آنے والا ہے، جن کا نام احمدؐ ہوگا، بالآخر آسمان نبوت پر سورج طلوع ہوا اور سارے اندھیرے چھٹ گئے، ہر طرف روشنی ہی روشنی ہوگئی، چہار سو بہار آگئی، جیسے اس مادی سورج کے طلوع ہونے کے بعد ساری روشنیاں بند کی جائیں گی، کسی روشنی کی ضرورت نہیں، اس طرح آسمان نبوت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے سورج کے چمکنے کے بعد کسی اور نبی کی ضرورت نہیں ہے۔

یہ مختصراً نمونہ حضرت خطیب الاسلامؒ کے علوم کی وسعتوں کا تھا، جن کو پڑھ کر قارئین آسانی سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے اکابر علماء کو کتنی خصوصیات سے نوازا ہوا تھا، بندہ ناچیز حضرت کے بارے میں وہی الفاظ استعمال کرے گا جو "الکواکب" میں "حافظ ابوحفص" نے امام ابن تیمیہؒ کے لئے استعمال فرمائے تھے:

"حضرت خطیب الاسلامؒ جب بیان شروع فرماتے تو ان کی گفتگو میں سیلاب کی روانی اور سمندر کی طغیانی ہوتی، آغاز کلام سے اختتام کلام تک یہی سلسلہ جاری رہتا، علمی بات کرتے وقت آنکھیں علمی جلال کا منظر پیش کرتی تھیں اور چہرے پر ایسا وقار طاری ہوجاتا کہ جس کی وجہ سے تمام مجلس پر مرغوبیت چھا جاتی تھی، مئی 2002ء کو علم وعمل کا یہ شہسوار اپنے رب کے حضور کلمہ اور سورۃ الفجر کی آخری آیات کا ورد کرتے ہوئے پیش ہوئے، اللہ آپ کو اعلیٰ جزاء نصیب فرمائے۔" آمین

☆......☆......☆

پریس ریلیز

ادارہ

سرکاری ملازمین پر غیر ملکی سفر کی پابندی ہٹائی جائے۔ناظم اعلیٰ وفاق

(پ۔ر) پنجاب حکومت کی طرف سے سرکاری ملازمین پر غیر ملکی سفر کی پابندی فی الفور ہٹائی جائے،اس پابندی سے حرمین شریفین حاضری کا ارادہ رکھنے والے سرکاری ملازمین متاثر ہورہے ہیں جو نہایت افسوس ناک ہے،پابندی صرف سرکاری خرچ پر غیر ملکی دوروں پر ہونی چاہیے،تمام سرکاری ملازمین کے لیے سفر کے راستے بند کرنا نا قابل فہم ہے۔ان خیالات کا اظہار وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے جنرل سیکرٹری اور ممبر اسلامی نظریاتی کونسل مولانا محمد حنیف جالندھری نے پنجاب حکومت کی طرف سے سرکاری ملازمین پر غیر ملکی سفر پر پابندی عائد کیے جانے کے فیصلے پر اپنے رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کیا،انہوں نے کہا کہ سینکڑوں کی تعداد میں ایسے سرکاری ملازمین نے وفاق المدارس اور علمائے کرام سے رابطہ کرکے اپنی تشویش سے آگاہ کیا کہ اس پابندی کی زدعمرہ کی سعادت حاصل کرنے اور حرمین شریفین کے سفر کا ارادہ رکھنے والوں پر پڑ رہی ہے۔مولانا محمد حنیف جالندھری کا کہنا تھا کہ سرکاری خرچ پر غیر ملکی دوروں پر پابندی بھی سمجھ میں آتی ہے اور ایسے شعبہ جات جہاں ہنگامی بنیادوں پر کام کی ضرورت ہو ان میں بھی پابندی لگائے جانے کا جواز نکلتا ہے لیکن سب سرکاری ملازمین پر غیر ملکی سفر کے راستے بند کردینا سراسر زیادتی ہے۔پنجاب حکومت اس معاملہ کا نوری نوٹس لے اور اس فیصلے پر نظر ثانی کرے۔

☆......☆......☆

حضرت مولانا حکیم محمد اختر کی وفات عظیم سانحہ ہے۔وفاق المدارس

(پ۔ر) ولی کامل مولانا شاہ حکیم محمد اختر کی رحلت عالم اسلام کے لیے افسوس ناک سانحہ ہے،مولانا کی رحلت سے پیدا ہونے والا خلا صدیوں پُر نہیں ہو سکے گا،امت ایک مشفق مربی اور رہبر شریعت سے محروم ہوگئی۔ان خیالات کا اظہار

وفاق المدارس العربیہ کے ذمہ داروں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا محمد حنیف جالندھری اور دیگر مذہبی رہنماؤں نے تعزیتی بیانات میں کیا۔ انہوں نے کہا پیر طریقت ولی کامل مولانا حکیم محمد اختر صاحب کی رحلت عالم اسلام کے لیے عظیم سانحہ اور نا قابل تلافی نقصان ہے، مولانا کی رحلت سے پیدا ہونے والا خلا صدیوں پُر نہیں ہو سکے گا۔ مولانا کی رحلت سے اُمت ایک شفیق مربی اور ایک عظیم عالم دین سے محروم ہو گئی۔

☆......☆......☆

کوئٹہ اور زیارت کے واقعات شرم ناک ہیں۔ وفاق المدارس

(پ-ر) کوئٹہ اور زیارت کے واقعات افسوس ناک اور شرم ناک ہیں، ان بہیمانہ واقعات پر انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی ہے، دونوں واقعات کی غیر جانب دارانہ تحقیقات کرائی جائے اور ذمہ داروں کو نشان عبرت بنایا جائے، بلا تحقیق ان واقعات کا ملبہ مذہب پسندوں کے سر ڈالنے سے گریز کیا جائے۔ ان خیالات کا اظہار وفاق المدارس کے ذمہ داران شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر اور مولانا حنیف جالندھری نے اپنے مشترکہ بیان میں کیا۔ انہوں نے کہا کہ کوئٹہ میں طالبات پر حملے افسوس ناک اور شرم ناک ہیں، اس بہیمانہ کارروائی پر انسانیت سر پیٹ کر رہ گئی ہے، واقعہ کی غیر جانب دارانہ اور منصفانی تحقیقات کروا کر ذمہ داروں کو نشانِ عبرت بنا دیا جائے۔ وفاق المدارس کے ذمہ داروں نے ان واقعات کی آڑ میں مذہب پسندوں کو ہدفِ تنقید بنانے پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ بلا تحقیق اس قسم کے واقعات کا ملبہ مذہب پسندوں پر ڈالنے سے گریز کیا جائے۔ وفاق المدارس کے قائدین نے شہید ہونے والی طالبات کے پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے ان کی مغفرت اور درجات کی بلندی کی دعا کی۔

☆......☆......☆

امتحانی بورڈ وفاق المدارس کا سسٹم اپنائیں۔ ذمہ داران وفاق

(پ-ر) امتحانی بورڈ، تعلیم کی وزارتیں اور ماہرین تعلیم وفاق المدارس کے آئیڈیل سسٹم کو اپنا کر شفاف اور منظم طریقہ امتحان کو رواج دیں، ان خیالات کا اظہار وفاق المدارس کے ذمہ داروں نے ملک کے مختلف علاقوں کے مراکز کے دورے کے موقع پر کیا۔ دینی مدارس کی سب سے قدیم اور منظم امتحانی بورڈ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر اہتمام ملک کے چاروں صوبوں، قبائلی علاقہ جات، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں بیک وقت سالانہ امتحانات کا سلسلہ جاری ہے۔ وفاق المدارس کے ذمہ داروں نے ملک کے مختلف علاقوں کے امتحانی مراکز پر اچانک چھاپے مار کر وہاں کے امتحانی عمل کا جائزہ لیا اور اسے شفاف واطمینان بخش قرار دیا۔ وفاق المدارس کے صدر مولانا سلیم اللہ خان اور نائب صدر مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے کراچی کے امتحانی مراکز، مولانا محمد حنیف جالندھری نے ملتان اور لاہور، مولانا انوار الحق نے خیبر پختونخواہ اور مولانا قاضی محمود الحسن اشرف نے آزاد کشمیر کے امتحانی مراکز کا دورہ کیا۔..................☆

مسافرانِ آخرت

ادارہ

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب کی رحلت:...... 22 رجب 1434ھ، 2 جون 2013ء بروز اتوار ممتاز عالم دین عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب 13 سال علیل رہنے کے بعد 90 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

آپ 1923 یا 1924ء میں ہندوستان کے صوبہ یو پی کے شہر پرتاب گڑھ کے گاؤں اٹھیہہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محمد حسین ایک سرکاری ملازم تھے۔ ابتدائی اور اعلیٰ عصری تعلیم طبیہ کالج علی گڑھ سے حاصل کی، حکمت کی تعلیم مکمل کی۔ ابتداء ہی سے طبیعت دین کی طرف مائل تھی، جس کی بناء پر بزرگوں کی صحبت میں آنا جانا تھا، آپ نے ابتداءً جن بزرگوں سے استفادہ کیا ان میں مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادیؒ اور مولانا سید بدر علی شاہؒ جیسے حضرات شامل ہیں۔ اسی دوران مولانا شاہ محمد احمد پرتاب گڑھیؒ سے بیعت کی اور خلافت حاصل کی۔ اس کے بعد 17 سال مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوریؒ کی صحبت میں رہے اور وہاں ان کے مدرسہ میں درس نظامی کی تکمیل کی اور حضرت پھول پوریؒ نے بھی آپ کو خلافت عطا فرمائی۔ حضرت پھول پوری کی وفات کے بعد مولانا شاہ ابرار الحق ہردوئیؒ سے تعلق قائم کیا اور حضرت کی جانب سے خلافت کا اہل قرار پائے۔

قیام پاکستان کے سات آٹھ سال بعد ہندوستان سے پاکستان تشریف لائے اور ناظم نمبر 4 میں تقریباً دو دہائیوں تک دینی خدمات سرانجام دیتے رہے، اس کے بعد گلشن اقبال منتقل ہوئے اور خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کے نام سے خانقاہ قائم کی اور تادم مرگ اسی جگہ قیام پذیر رہے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے اشرف المدارس کے نام سے ایک دینی ادارے کی بنیاد رکھی، جس کا شمار ملک کی ممتاز دینی درس گاہوں میں ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دردِ دل کی دولت سے مالا مال کیا تھا جسے آپ اپنے مواعظ کے ذریعہ دوسروں تک منتقل کرتے

رہتے تھے، آپ کے یہ مواعظ کافی بڑی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں ان شائع شدہ مواعظ کی تعداد 150 کے لگ بھگ ہوگی۔ ''معارف مثنوی'' کے نام سے مثنوی مولانا روم کی شرح لکھی، جسے خوب پذیرائی حاصل ہوئی اور کئی زبانوں میں اس کے ترجمہ ہوئے، مثنوی کے علاوہ آپ کی دیگر مواعظ اور تالیفات کے تراجم بھی دیگر زبانوں میں ہوئے ہیں، جن میں سندھی، عربی، پشتو، بنگلا، برمی، جرمن، فرنچ اور انگریزی زبانیں نمایاں ہیں۔

آپ پر 28 مئی 2000ء کو فالج کا اٹیک ہوا، جس کے بعد سے مسلسل صاحب فراش تھے، آخر کار آپ کا وقت اجل آپہنچا اور 22 رجب 1434ء کے غروب آفتاب کے ساتھ ہی آپ کی زندگی کا چمکتا دمکتا آفتاب بھی غروب ہوگیا اور عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ گیا۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعہ

آپ کی وفات پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے وفاق المدارس کے صدر شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس مولانا محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ آپ اس صدی کے عظیم انسان تھے، آپ کی وفات سے امت مسلمہ ایک مصلح اور مربی سے محروم ہوگئی۔

☆......☆......☆

استاذ العلماء شیخ الصرف والنحو مولانا نصر اللہ خان لغاری کا سانحہ ارتحال:...... مورخہ 25 رجب 1434ھ بمطابق 5 جون 2013ء کو مولانا نصر اللہ خان لغاری 80 برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا نصر اللہ خان کو اللہ تعالیٰ نے صرف اور نحو میں خوب مہارت عطا فرمائی تھی اور صرف ونحو میں مہارت حاصل کرنے کے لیے ہزاروں کی تعداد میں طلبہ ہر سال آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور متعلقہ فنون میں مہارت حاصل کرتے۔ آپ نے حضرت مولانا حماد اللہ ہالیجوی کے حکم پر توحید آباد صادق آباد میں بحر العلوم کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کیا اور خیر عمر تک اس سے وابستہ رہے۔

آپ کے تلامذہ میں ملک کے نامور علمائے کرام شامل ہیں، جن میں مولانا طیب، مفتی عبدالمجید دین پوری، مفتی ابو لبابہ اور مدیر ماہنامہ وفاق المدارس مولانا ابن الحسن عباسی شامل ہیں۔

آپ نے پسماندگان میں 5 بیٹے چھوڑے ہیں جو کہ درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔

ادارہ وفاق ان حضرات کی وفات پر ان کے پسماندگان کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان مرحومین کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆

وفاق المدارس العربیہ پاکستان
عالمی اجتماع
اسلام آباد
21 جمعہ 22 ہفتہ 23 اتوار مارچ 2014
50 سالہ خدماتِ وفاق و دستار بندی فضلاء وحفاظ کرام وفاق المدارس العربیہ پاکستان
عظیم الشان اور تاریخ ساز اجتماع میں
دنیا بھر سے اکابر علماء کرام اور عالم اسلام کی نامور شخصیات شرکت فرمائیں گی۔
دینی مدارس کی ہمہ جہت خدمات اور معاشرے میں فقید المثال کردار کو اجاگر کیا جائے گا (انشاء اللہ)
فضلاء وحفاظ کرام وفاق المدارس العربیہ سے گزارش
وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے گزشتہ پچاس برس کے جملہ فضلاء کرام سے گزارش ہے کہ وہ درج ذیل ترتیب کے مطابق اپنے مکمل کوائف ارسال فرمائیں۔
★ نام، ولدیت، تاریخ پیدائش، قومی شناختی کارڈ نمبر، مستقل/عارضی پتہ، سن فراغت، کس مدرسہ کا فاضل ہے
★ فضلاء کیلئے شہادۃ العالمیہ حفاظ کیلئے سند حفظ کی فوٹو کاپی، رابطہ نمبرز/لینڈ لائن، موبائل نمبر/ای میل/ویب سائٹ/ایک عدد پاسپورٹ سائز تصویر
★ وفاق المدارس کی سند فراغ کے علاوہ دینی وعصری تعلیمی کوائف کی تفصیل اور اسناد کی فوٹو کاپی
★ تدریسی/تصنیفی/دعوتی خدمات اور آپ جس شعبے میں جس حیثیت سے بھی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اس کی تفصیل جلد از جلد وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو ارسال فرمائیں۔
★ اجتماع کے سلسلے میں آپ اپنی گراں قدر تجاویز تحریری طور پر وفاق المدارس کو جلد از جلد ارسال فرمائیں۔
★ آپ اس اجتماع کے بہتر انعقاد کے سلسلے میں کیا خدمات اور تعاون پیش کر سکتے ہیں؟ ضرور آگاہ فرمائیں۔
★ اپنے حلقہ احباب میں اس اجتماع کی تیاریوں کا سلسلہ شروع فرمادیں۔ جزاکم اللہ خیرا
مزید معلومات کیلئے وفاق المدارس کی ویب سائٹ www.wifaqulmadaris.org ملاحظہ فرمائیں
(حضرت مولانا) سلیم اللہ خان صدر الوفاق (حضرت مولانا) محمد حنیف جالندھری ناظم اعلیٰ وفاق واراکین مجلس عاملہ وفاق
برائے رابطہ دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن، شیر شاہ روڈ ملتان
Ph: 061-6514525-6-7
Fax: 061-6539485
Mob: 0300-7302469